الرسالہ

سرپرست
مولانا وحیدالدین خاں

اینٹیں بکھری ہوئی ہوں تو وہ ملبہ کا ڈھیر ہیں
مگر جب اینٹیں ایک دوسرے سے جڑ کر عمارت بن جائیں
تو وہ طاقت کا قلعہ ہیں جس میں قومیں پناہ لیں

قیمت فی پرچہ —— تین ۳ روپے

اسلامی مرکز کا ترجمان

الرسالہ

اگست ۱۹۸۲
شمارہ ۶۹

جمعیۃ بلڈنگ قاسم جان اسٹریٹ دھلی ۱۱۰۰۰۶ (انڈیا)

مشاورتی نشست

اسلامی مرکز کی ایک مشاورتی نشست دہلی میں دفتر اسلامی مرکز میں رمضان ۱۴۰۲ھ کے پہلے ہفتہ میں منعقد ہوئی اس میں حسب ذیل اصحاب شریک ہوئے

۱۔ مولانا وحید الدین خاں صاحب صدر اسلامی مرکز
۲۔ مولانا محسن عثمانی صاحب ندوی۔ دہلی
۳۔ مولانا ہاشم القاسمی صاحب۔ حیدر آباد
۴۔ مولانا حمید اللہ ندوی صاحب۔ بھوپال

اس نشست میں اسلامی مرکز کے تنظیمی امور اور مرکز کے لئے ایک عمارت کے حصول کی بابت گفتگو ہوئی۔ اتفاق رائے سے بعض اہم امور طے کئے گئے اللہ تعالےٰ سے دعا ہے کہ وہ ان کی تکمیل کا سامان بہم پہنچائے۔

اس نشست میں یہ بات بھی طے پائی کہ اسلامی مرکز کی ذیلی شاخوں سے کہا جائے کہ وہ اپنے کام اور سرگرمیوں کی باقاعدہ رپورٹ مرکز کو بھیجا کریں۔

منی آرڈر کوپن پر اپنا پورا پتہ تحریر فرمائیں۔ ہر خط و کتابت کے ساتھ خریداری نمبر یا ایجنسی نمبر کا حوالہ ضرور دیں

خدا ——————— قادر مطلق ہے، اور
انسان ——————— عاجز مطلق
دونوں دو انتہائیں ہیں
انسان کا کمال یہ ہے کہ وہ اس حقیقت کا شعوری ادراک کر لے
وہ شعورِ قدرت کے مقابلہ میں شعورِ عجز کی دوسری انتہا بنا سکے
معرفت یہی ہے کہ آدمی اس مقام شعور تک پہنچ جائے

جنت باشعور انسانوں کی آبادی ہے
اور جہنم بے شعور لوگوں کا قید خانہ

آغاز نیچے سے

ایک شخص جس کی داڑھی میں سفیدی آچکی تھی، رکروٹنگ آفس میں داخل ہوا "مجھے سپاہی کی حیثیت سے بھرتی کر لیجئے" اس نے کہا۔

"مگر تمہاری عمر کیا ہے" سرجنٹ نے پوچھا۔

"باسٹھ سال"

"تم اچھی طرح جانتے ہو کہ باسٹھ سال کی عمر سپاہی بننے کے لئے بہت زیادہ ہے"

"سپاہی کے لئے یہ عمر زیادہ ہوسکتی ہے" آدمی نے کہا "مگر کیا آپ کو کسی جنرل کی ضرورت نہیں"

ایک انگریزی رسالہ (مئی ۱۹۸۲) میں مذکورہ واقعہ چھپا ہے اور اس کا عنوان طنزیہ طور پر ان لفظوں میں قائم کیا گیا ہے ـــــ اوپر سے آغاز:

Starting at the Top

ایک شخص جنرل کے عہدہ سے اپنی فوجی زندگی شروع کرنا چاہے تو وہ کبھی ایسا نہیں کر سکتا۔ یہی معاملہ عام زندگی کا ہے۔ یہاں کسی کے لئے چھلانگ ممکن نہیں۔ جس طرح درخت کا آغاز بیج سے ہوتا ہے اسی طرح زندگی کی تعمیر کا آغاز بھی ابتدائی نقطہ سے ہوتا ہے۔ آخری نقطہ سے آپ اپنی زندگی کا آغاز نہیں کر سکتے۔

تجارت روپیہ لگانے سے شروع ہوتی ہے نہ کہ نفع کمانے سے۔ ڈاکٹری تعلیم محنت سے شروع ہوتی ہے نہ کہ بازار میں شاندار بورڈ لگانے سے۔ مکان کی تعمیر بنیاد سے شروع ہوتی ہے نہ کہ چھت ڈالنے سے۔ کھانے کا آغاز فصل بونے سے ہوتا ہے نہ کہ دسترخوان لگانے سے۔ کارخانہ کا آغاز مشین کی فراہمی سے ہوتا ہے نہ کہ تیار مال بیچنے سے وغیرہ

اسی طرح اجتماعی معاملات میں آغاز یہاں سے ہوتا ہے کہ افراد کے اندر مقصد کا شعور ابھارا جائے۔ ان کو محنتی اور دیانت دار بنایا جائے، ان کے اندر برداشت اور اتحاد کی صلاحیت پیدا کی جائے۔ قوم کے افراد میں، قابل لحاظ حد تک، ان صلاحیتوں کو پیدا کرنے سے پہلے اگر عملی اقدام شروع کر دیا جائے تو وہ صرف ناکامی پر ختم ہوگا۔ اس قسم کی قومی تعمیر کی مثال بالکل ایسی ہوگی جیسے دیوار بنانے سے پہلے چھت کھڑی کرنے کی کوشش۔ ایسی چھت ہمیشہ اٹھانے والے کے سر پر گرتی ہے۔ اسی طرح افراد کی تعمیر سے پہلے قومی اقدام صرف ناکامی اور بربادی پر ختم ہوتا ہے۔

نئی طاقت جاگ اٹھی

گیرارڈ (اٹلی) نے مغربی لاطینیوں کے لئے وہی کام کیا جو حنین ابن اسحٰق نے مشرقی عربوں کے لیے کیا تھا۔ اس نے عربی زبان سے فلسفہ، ریاضی، طب اور علوم طبیعی کی بے شمار کتابوں کا ترجمہ لاطینی زبان میں کر ڈالا۔

گیرارڈ ۱۱۱۴ء میں کریمونا (اٹلی) میں پیدا ہوا۔ وہ عربی زبان بخوبی جانتا تھا۔ بطلیموس کی المجسطی (عربی) کی تلاش میں وہ طلیطلہ آیا۔ اس نے ۱۱۷۵ء میں اس کتاب کا ترجمہ لاطینی زبان میں کیا۔ وہ عربی کی کتابوں کا ترجمہ کرنے والوں میں نمایاں ترین شخص بن گیا۔ ایک مسیحی اور ایک یہودی عالم اس کام میں اس کے مددگار تھے۔ اس نے یونانی اور عربی علوم کے دروازے پہلی بار مغرب کے لئے کھول دئے۔ اس کے بعد دوسرے بہت سے افراد پیدا ہوئے جنھوں نے اس معاملہ میں اس کی تقلید کی۔ ڈاکٹر میکس میرہاف کے الفاظ میں وہ یورپی دنیا میں عربیت کا بانی تھا۔

علم طب میں گیرارڈ نے بقراط و جالینوس کی کتابوں، حنین کے تقریباً تمام ترجموں، الکندی کی تمام تصانیف، بوعلی سینا کی ضخیم "قانون" اور ابوالقاسم زہراوی کی کتاب "جراحت" کا ترجمہ کر دیا۔ طبیعیات میں اس نے ارسطو کی بہت سی کتابوں کا عربی سے ترجمہ کیا۔ جن میں تجربات کا وہ رسالہ بھی شامل ہے جو ارسطو سے منسوب کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ اس شعبہ علم میں الکندی، الفارابی، اسحاق اور ثابت وغیرہ کی کتابوں کو بھی لاطینی میں منتقل کیا۔

گیرارڈ ۱۱۸۷ میں بیمار پڑا۔ اس نے گمان کیا کہ اب اس کی موت قریب ہے۔ "اگر میں مرگیا تو قیمتی عربی کتابوں کا ترجمہ مغربی زبان میں کون کرے گا"۔ اس احساس نے اس کو تڑپا دیا۔ اس کے اندر نئی قوت عمل جاگ اٹھی۔ بیماری کے باوجود اس نے ان بقیہ عربی کتابوں کا ترجمہ شروع کر دیا جن کو اس نے اپنے پاس جمع کیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اپنی موت سے پہلے صرف ایک مہینے کے اندر اس نے تقریباً اسی کتابوں کے ترجمے پورے کر لئے۔

عمل کا تعلق حقیقتہً جذبے سے ہے نہ کہ صحت اور طاقت سے۔ اگر آدمی کے اندر کسی کام کی آگ بھڑک اٹھے تو اس کام کو وہ ہر حال میں کر ڈالتا ہے، خواہ وہ بستر مرض پر ہو۔ خواہ اس کے ظاہری حالات کسی طرح اس کی اجازت نہ دیتے ہوں۔

منفی سیاست مہنگی پڑی

موجودہ زمانہ میں اسپین کے مورخین اسپین کے اسلامی دور کا ذکر بے حد نفرت کے ساتھ کرتے ہیں، اسپین کی قرون وسطیٰ کی تاریخ کا ایک ماہر لکھتا ہے "اگر اسلام نہ ہوتا تو اسپین بھی فرانس، جرمنی، اٹلی اور انگلینڈ کی طرح ترقی کا راستہ اختیار کرتا، بلکہ وہ یورپ کا رہنما بن جاتا۔ مگر اسلام نے آئبیریا (اسپین اور پرتگال) کی تقدیر کو بگاڑ دیا۔ اس میں شک نہیں کہ یورپ کو اسلام نے بے اندازہ فائدہ پہنچایا، مگر اسپین کو اس نے انسانی ترقی کے قافلہ سے پیچھے کر دیا"

جو اسلام بقیہ یورپ کے لئے رحمت ثابت ہوا وہی اسلام اسپین کے لئے نقصان دہ کیسے بن سکتا تھا۔ یہ فرق ثابت کرتا ہے کہ اس کی ذمہ داری خود اسپین پر تھی نہ کہ اسلام پر۔ چنانچہ پروفیسر جے۔ بی ٹرینڈ نے لکھا ہے کہ اس کی وجہ اسپین کی منفی سیاست تھی۔ مسلمانوں کی فتح اسپین (۷۱۱) کے بعد یہ ہوا کہ اٹلانٹک سے لے کر بحر روم تک سارے شمالی اسپین میں جگہ جگہ "مسلم حملہ آوروں" کی مخالفت کے مرکز قائم ہو گئے۔ بیشتر لوگوں کا مشغلہ بس جنگ و جدال بن کر رہ گیا۔ تمام مردان کار نے فوجی و عسکری زندگی اختیار کر لی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہر قسم کی علمی اور اقتصادی سرگرمیاں ٹھپ ہو کر رہ گئیں۔

اسپین والوں کی مسلم مخالف سرگرمیاں صدیوں کے بعد سولھویں صدی میں اپنی کامیابی کو پہنچیں۔ انھوں نے اسپین کے تمام مسلمانوں کو یا تو مار ڈالا یا ملک سے باہر نکال دیا۔ مگر یہ شان دار کامیابی ان کو صرف اس قیمت پر حاصل ہوئی کہ ملک اپنے تمام ہنرمند کاریگروں اور لاکھوں زرعی کارکنوں سے محروم ہو کر رہ گیا۔ اس خلا کے بعد اسپین کا زوال بالکل لازمی اور ناگزیر تھا۔

مزید یہ کہ اسلام جب ایک خطرناک ہمسایہ کی حیثیت سے ان کے درمیان باقی نہ رہا تو ان کی صدیوں کی تربیت یافتہ جنگ جوئی نے باہمی اختلاف اور لڑائی کی صورت میں اس کا استعمال پا لیا۔ اسپین کی مسیحی ریاستیں مسلم نشانہ کو نہ پاکر آپس کے جنگ و پیکار میں مصروف ہو گئیں۔ ان کی انقطاع پسندی نے ان کے درمیان مختلف زبانیں اور مختلف روایتیں پیدا کر دیں۔ ابتدائی صدیاں اگر مسلمانوں کے خلاف کارروائیوں میں ضائع ہوئی تھیں تو بعد کا زمانہ خود اپنوں کے خلاف ہنگامہ کرنے میں برباد ہو گیا (لیگیسی آف اسلام، آکسفورڈ یونیورسٹی پریس، لندن)

امامت کا راز

سسلی ایک یوروپی ملک ہے جو میڈیٹیرینین سمندر میں واقع ہے اور اٹلی سے ملا ہوا ہے۔ بارھویں صدی عیسوی میں یہاں ایک مسیحی نارمن بادشاہ راجر دوم (۱۱۵۴–۱۱۰۱) حکومت کرتا تھا۔ قدیم بادشاہوں (مثلاً اسکندر اعظم) کی یہ خواہش ہوتی تھی کہ وہ اپنی زیر حکومت دنیا کا خاکہ تیار کرا کر اپنے پاس رکھیں۔ شاہ راجر دوم کے دل میں بھی یہ خواہش پیدا ہوئی کہ وہ دنیا کا ایک بڑا نقشہ تیار کرائے جس میں اس کی اپنی سلطنت کے حدود دکھائے گئے ہوں۔ اس کام کے لئے راجر دوم نے اپنے وقت کے جس ماہر شخص کا انتخاب کیا وہ ایک مسلمان جغرافیہ داں الادریسی تھا۔ اسی مغربی بادشاہ کی خواہش پر الادریسی نے جغرافیہ کے بارے میں اپنی مشہور کتاب تیار کی جس میں جغرافی معلومات کے ساتھ ۷۰ نقشے شامل تھے۔ الادریسی کی عربی کتاب کا پہلا یوروپی ترجمہ روم میں ۱۶۱۹ میں کیا گیا۔

جے۔ ایچ۔ کریمرز نے الادریسی کے مذکورہ جغرافیہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "شاہ راجر دوم نے اپنے وقت کی معلوم دنیا کا تفصیلی خاکہ تیار کرنے کا کام ایک مسلمان عالم کے سپرد کیا، اس سے صاف طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں مسلمانوں کے علم وفضل کی برتری ایک مسلّم حقیقت سمجھی جاتی تھی۔" ہر قسم کے فنی ماہرین مسلمانوں سے لئے جاتے تھے۔

اس زمانہ میں مسلمان ساری دنیا میں علم کے میدان میں بڑھے ہوئے تھے۔ ریاضی، طب، فلسفہ، جغرافیہ، فن تعمیر، فن حرب، تاریخ اور زبان وادب ہر چیز میں وہ دنیا کی امامت کر رہے تھے۔ اس واقعہ کی ایک شہادت وہ ہے جو زبان کی صورت میں آج بھی موجود ہے۔ یورپ کی زبانوں میں کثرت سے ایسے الفاظ ہیں جن کی اصل عربی ہے۔

مسلمان پچھلے تقریباً ہزار سال تک دنیا کے قائد بنے ہوئے تھے۔ مگر یہ مقام ان کو مطالبہ اور احتجاج کی سیاست سے نہیں ملا تھا اور نہ کوڑے اور پھانسی کی سزاؤں کو جاری کر کے وہ اس بلندی تک پہنچ گئے تھے۔ اس کا راز تھا اہلیت۔ اس کا سبب یہ تھا کہ وہ دنیا کو دینے والے بن گئے تھے نہ کہ صرف لینے والے۔

بڑاپن

شہنشاہ اکبر نے اپنے لڑکے شہزادہ سلیم کی شادی جے پور کے راجہ بھگوان داس کی لڑکی سے کی تھی۔ اس سلسلہ میں اکبر خود بارات لے کر جے پور گیا۔ نکاح کے بعد جب دولہن کا ڈولا باہر نکلا تو راجہ بھگوان داس نے ہاتھ جوڑ کر عرض کیا:

مار چیری تہار گھر کی باندی   ہم باند غلام رے

(ہماری لڑکی آپ کے گھر کی کنیز ہے اور ہم آپ کے غلام ہیں)

یہ سن کر اکبر تڑپ اٹھا۔ وہ بے تابانہ کھڑا ہو گیا اور راجہ بھگوان داس کو گلے لگا کر کہا کہ نہیں، ایسا نہیں ہے۔ بلکہ یوں ہے:

تہار چیری مار گھر کی رانی   تم صاحب سردار رے

(تمھاری لڑکی ہمارے گھر کی رانی ہے اور تم ہمارے سردار ہو)

یہ کہہ کر اکبر نے دولھن کے ڈولے میں خود کاندھا لگا دیا۔ اس کے بعد ساری فضا ہی دوسری ہو گئی، تمام شہزادے اور امرار دوڑ پڑے۔ ہر ایک دولھن کا ڈولہ اٹھانے میں سبقت کرنے لگا۔ کچھ دور تک یہی لوگ ڈولہ لے کر چلتے رہے، اس کے بعد اس کو کہاروں نے سنبھالا۔

خلیفہ ہارون رشید کا قول ہے کہ شریف آدمی وہ ہے جو اپنے سے بڑے کو دبائے اور چھوٹے سے خود دب جائے۔ اکبر کا مذکورہ واقعہ اس کی ایک مثال ہے۔ اکبر ایک بے حد بلند فطرت انسان تھا، اگرچہ وقت کے علمار کے غلط کردار نے اس کو بگاڑ دیا۔

جو لوگ پست طبیعت کے ہوتے ہیں ان کا حال یہ ہوتا ہے کہ وہ طاقت وروں کے ساتھ اخلاق برتتے ہیں اور جس کو کمزور پاتے ہیں اس کو ذلیل کرنے لگتے ہیں۔ مگر اونچی طبیعت والے آدمی کو اس بات سے شرم آتی ہے کہ وہ دو قسم کا اخلاق برتے۔ وہ ایک کے مقابلہ میں کچھ ہو اور دوسرے کے مقابلہ میں کچھ۔ وہ ہر حال میں سچائی کے سامنے جھکنے والا ہوتا ہے۔ وہ معقولیت کے سامنے بھی اسی طرح دیتا ہے جس طرح قوت کے سامنے۔ وہ کمزور کا بھی اتنا ہی لحاظ کرتا ہے جتنا طاقت ور کا۔ اس کا کردار اصول کے تابع ہوتا ہے نہ کہ لالچ اور خوف کے تابع۔

بڑا آدمی اپنی بڑائی جتا کر حقیقۃً چھوٹا ہو جاتا ہے۔ اونچی حیثیت والا جب گھمنڈ کا مظاہرہ کرتا ہے تو وہ اپنے کو نیچے گرا لیتا ہے۔

مدعو نہ کہ حریف

منٹگومری واٹ کی ایک کتاب ہے جس کا نام ہے اسلام کیا ہے (What is Islam) ڈھائی سو صفحات کی اس کتاب میں انگریز مصنف نے اسلام کا نظریاتی اور تاریخی جائزہ لیا ہے۔ آخر میں وہ کتاب کو ختم کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ کتاب مغربی لوگوں کو اس قابل بنائے گی کہ وہ اس زندہ اور طاقت ور قوم کو زیادہ بہتر طور پر سمجھ سکیں جو کہ ان کی شریک بھی ہے اور ان کی حریف بھی:

This book will enable occidentals to understand better this living and powerful community which is both their partner and their rival

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مسلمان کی تصویر آج دوسری قوموں کی نظر میں کیا ہے۔ یہ تصویر محض قومی ہے نہ کہ نظریاتی۔ دوسری قومیں ہم کو بس اس نظر سے دیکھتی ہیں کہ مسلمان دنیا کی آبادی کا ایک بڑا حصہ ہیں اور اس اعتبار سے وہ زمین کے دوسرے باسیوں کے لئے قومی شریک اور مادی حریف کی حیثیت رکھتے ہیں۔

ہر قوم کو دوسرے لوگ اسی خاص حیثیت سے جانتے ہیں جس حیثیت سے اس نے اپنے آپ کو دوسروں کی نظر میں متعارف کیا ہو۔ ہر قوم اپنی تصویر آپ بناتی ہے۔ جاپان کو لوگ ایک تیکنیکی معاشرہ سمجھتے ہیں۔ چین کو ایک جبری معاشرہ اور برطانیہ کو ایک جمہوری معاشرہ۔ ان قوموں کے بارے میں لوگوں کی یہ رائیں خود ان قوموں کے طرز عمل سے بنی ہیں نہ کہ دوسروں کی اپنی خیال آرائی سے۔ یہی معاملہ مسلمانوں کا بھی ہے۔ مغرب کے لوگ اگر ہم کو محض ایک جغرافی شریک یا مادی حریف کی حیثیت سے دیکھتے ہیں تو اس کی ذمہ داری خود ہمارے اوپر ہے نہ کہ دوسروں کے اوپر۔ ہم نے اسی روپ میں ان کی نظر میں اپنا تعارف کرایا ہے پھر وہ اس کے علاوہ کسی اور روپ میں ہم کو کس طرح دیکھ سکتے ہیں۔

مگر حقیقت یہ ہے کہ مسلمان کی یہ تصویر اس کے لئے ازالۂ حیثیت عرفی کے ہم معنی ہے۔ مسلمان دنیا میں خدا کے دین کے نمائندہ ہیں۔ ان کے اور دوسری قوموں کے درمیان داعی اور مدعو کا رشتہ ہے۔ اس رشتہ کو اگر قومیت اور رقابت کا رشتہ بنا دیا جائے تو یہ دوسری قوموں کے لئے سب سے بڑا المیہ ہوگا اور مسلمانوں کے لئے سب سے بڑا جرم۔

بے فائدہ مصروفیات

سالزنیٹسین (Alexander Solzhenitsyn) ایک روسی ناول نگار ہے۔ اس کو روسی عوام کے دکھوں کا احساس ہوا اور اس کو اس نے اپنی کہانیوں میں تمثیلی روپ میں ظاہر کرنا شروع کیا۔ اس کے نتیجہ میں وہ روس کی اشتراکی حکومت کی نظر میں ناپسندیدہ شخص بن گیا۔ چنانچہ اس نے اپنا وطن چھوڑ کر امریکہ میں پناہ لی ہے۔ وہ امریکہ کی ایک بستی (Vermont) میں خاموشی کی زندگی گزار رہا ہے۔ اور اپنے خیالات کتابوں کی صورت میں مرتب کرنے میں مصروف ہے۔

مئی ۱۹۸۲ میں سالزنیٹسین کو امریکی حکومت کا ایک دعوت نامہ ملا۔ اس کے اعزاز میں واشنگٹن کے وھائٹ ہاؤس میں ایک سرکاری تقریب کا اہتمام کیا گیا تھا جس میں دوسرے معزز لوگوں کے علاوہ خود صدر امریکہ بھی شریک ہوئے۔ نیز اس دوران میں امریکی صدر ریگن اور سالزنیٹسین کے درمیان ۱۵ منٹ کی ایک خصوصی ملاقات بھی شامل تھی۔

سالزنیٹسین نے صدر امریکہ کے نام ۳ مئی ۱۹۸۲ کو ایک جوابی خط لکھا جس کے ذریعہ تقریب میں شرکت سے قطعی معذوری ظاہر کی۔ اس نے لکھا کہ زندگی کے جو مختصر لمحات میرے پاس رہ گئے ہیں وہ مجھے اس بات کی اجازت نہیں دیتے کہ میں رسمی ملاقاتوں میں اپنا وقت صرف کروں:

The life span at my disposal does not leave any time for symbolic encounters.

سالزنیٹسین کے سامنے ایک محدود مقصد ہے۔ یعنی روسی عوام کی دکھ بھری زندگی کو ناول کے انداز میں پیش کرنا۔ اس مقصد نے اس کے اوقات پر اتنا قبضہ کر لیا کہ اس کے لئے اس کے سوا چارہ نہ رہا کہ وہ صدر امریکا کے دعوت نامہ کو رد کر دے۔

آدمی کے سامنے اگر کوئی واضح مقصد ہو تو اس کا یہی حال ہوتا ہے۔ مگر جب آدمی کی زندگی مقصد سے خالی ہو جائے تو اس کی نظر میں اپنے وقت کی کوئی قیمت نہیں رہتی۔ وہ اپنا اندازہ خود اپنی رائے سے کرنے کے بجائے دوسروں کی رائے سے کرنے لگتا ہے۔ وہ رسمی جلسوں اور تقریبات میں رونق کا سامان بنتا رہتا ہے۔ وہ اپنے لئے جینے کے بجائے دوسروں کے لئے جینے لگتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کی عمر پوری ہو جاتی ہے۔ بظاہر مصروفیتوں سے بھری ہوئی ایک زندگی اس طرح اپنے انجام کو پہنچ جاتی ہے کہ اس کے پاس ایک خالی زندگی کے سوا اور کوئی سرمایہ نہیں ہوتا۔

انجینرنگ کافی نہیں

ڈاکٹر فضل الرحمٰن خاں دنیا کے مشہور ترین تعمیراتی انجینئر تھے۔ وہ ڈھاکہ میں پیدا ہوئے۔ کلکتہ میں تعمیراتی انجینئرنگ (Architectural Engineering) کی تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد اسی فن میں امریکہ سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری لی۔ ۱۹۶۲ میں انھوں نے شکاگو میں ۴۳ منزلہ عمارت کا ٹھیکہ لے کر اپنی عملی زندگی کا آغاز کیا۔ اپنی غیر معمولی ذہانت کی وجہ سے انھوں نے اس میدان میں مجتہدانہ کارنامے انجام دیے۔ شکاگو میں ۱۱۰ منزلہ عمارت (Sears Tower) بنانے کے بعد انھوں نے جدید تعمیرات میں عالمی شہرت حاصل کی۔ دنیا کی یہ سب سے اونچی عمارت ان کے اپنے وضع کردہ غیر روایتی اصولوں پر بنائی گئی ہے۔ جس کو (Tubular Design) کہا جاتا ہے (ہندستان ٹائمس ۹ مئی ۱۹۸۲)

ڈاکٹر فضل الرحمٰن خاں کو اپنی اس غیر معمولی کامیابی کے باوجود قلبی سکون حاصل نہ تھا۔ مسٹر کے ایم املادی ۱۹۷۶ میں فضل الرحمٰن خاں کے شکاگو کے دفتر میں ملے تھے۔ مسٹر املادی نے انھیں ان کی کامیابیوں پر مبارک باد دی مگر ڈاکٹر فضل الرحمٰن نے اس کو سادہ چہرے کے ساتھ سنا۔ انھوں نے گفتگو کے دوران مسٹر املادی سے کہا کہ زندگی انجینئرنگ سے زیادہ ہے:

Life is more than engineering

۲۷ مارچ ۱۹۸۲ کو ڈاکٹر فضل الرحمٰن خاں کا اچانک اس وقت انتقال ہو گیا جب کہ ان کی عمر صرف ۵۲ سال تھی۔ فضل الرحمٰن خاں نے تعمیراتی انجینئرنگ میں جو اجتہادی اصول وضع کئے ان کو مزید آگے بڑھاتے ہوئے جرمن انجینئر رابرٹ گیبریل (Robert Gabriel) نے ۲۶۵ منزلہ عمارت کا منصوبہ بنایا ہے جو زمین سے ایک میل اونچی ہوگی۔ مسٹر املادی نے اپنی ملاقات میں ڈاکٹر فضل الرحمٰن خاں سے پوچھا کہ کیا وہ ایسی عمارت کی تعمیر کو ممکن سمجھتے ہیں۔ فضل الرحمٰن خاں نے اثبات میں جواب دیا۔ اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے مسٹر املادی اپنے مضمون کو اس جملہ پر ختم کرتے ہیں کہ آئندہ یورپ اور امریکہ میں ایسی اونچی عمارتیں کھڑی ہو چکی ہوں گی مگر افسوس کہ وہی آدمی ان کو دیکھنے کے لئے موجود نہ ہوگا جس نے ایسی عمارتوں کی تعمیر کو ابتدائی طور پر ممکن بنایا تھا:

The man who laid the foundation for making them possible, alas, will no longer be there to witness them.

مقبول بندے

جسم میں اگر ایسا خون داخل کیا جائے جو آدمی کے بلڈ گروپ کا نہ ہو تو جسم اس کو قبول نہیں کرتا۔ اس کے اندر فوراً ضد جسم (Antibodies) پیدا ہو جاتے ہیں۔ اور وہ خون باہر نکال دیا جاتا ہے۔ اسی طرح جلے یا کٹے ہوئے حصہ جسم پر قلم بندی ہوتی ہے جس کی محفوظ صورت یہ ہے کہ خود اپنے جسم کی کھال لے کر مقام ماؤف پر لگا دی جائے جس کو آٹو گریفٹنگ کہتے ہیں۔ اب اگر کسی مقام پر کھال کی قلم بندی (Skin Grafting) کرنی ہے اور وہاں کسی غیر متعلق جسم کی کھال لے کر لگا دی گئی تو وہ چند دن ٹھیک رہے گی۔ مگر ایک ہفتہ کے اندر جسم اس کی اجنبیت کو پہچان لے گا۔ خون کا دوران اس مقام پر رک جائے گا اور بالآخر کھال کا مذکورہ ٹکڑا الگ ہو کر گر جائے گا۔ اس کا ذکر کرتے ہوئے پروفیسر ولیم بائڈ (William Boyd) نے اپنی پیتھالوجی کی کتاب (۱۷۷) میں لکھا ہے کہ خودی غیر خودی کو قبول نہیں کرتی :

Self will not accept not-self

یہ چھوٹے سلف (انسان) کی خودداری کی ایک مثال ہے۔ اسی پر بڑے سلف (خدا) کی غیرت اور خودداری کو قیاس کیا جا سکتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ خدا تمام غیرت مندوں سے زیادہ غیرت مند اور تمام یکتا پسندوں سے زیادہ یکتا پسند ہے۔ خدا کسی حال میں بھی کسی قسم کی دوئی کو گوارہ نہیں کرتا۔ وہ ہر دوسرے قصور کو معاف کر دے گا مگر شرک کو کبھی معاف نہیں کرے گا۔

وہ کون خوش قسمت لوگ ہیں جو آخرت میں خدا کے مقبول بندے ٹھہریں گے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے سلف کے خول کو توڑ کر خدا کے سلف میں گم ہونے پر راضی ہو گئے۔ جو اپنی یا کسی دوسرے کی یکتائی کو بھلا کر خدا کی یکتائی کے آگے جھک گئے۔ جنھوں نے ہر قسم کے شرک کو چھوڑ کر توحید خالص کو اختیار کر لیا۔ انسان کے لئے اگرچہ یہ مشکل ترین کام ہے کہ وہ اپنے سوا کسی دوسرے کا اقرار کرے۔ جب بھی کوئی شخص کسی دوسرے کو مانتا ہوا نظر آئے تو وہ یا تو خوف کی بنیاد پر ہوگا یا مصلحت کی بنیاد پر۔ تاہم یہی وہ عطیہ جو کوئی انسان کبھی کسی کو نہیں دیتا اسی کا مطالبہ انسان کے خالق نے انسان سے کیا ہے۔ اور اسی کا نام اسلام ہے۔ مسلم وہی ہے جو اپنی خودی کا اثاثہ اپنے خالق کو دینے پر راضی ہو جائے۔ جو اپنے آپ کو پوری طرح خدا کی سپردگی میں دے دے۔ جو ہر اعتبار سے خدا کا تابع فرمان بن جائے۔ اس میں شک نہیں کہ یہ انسان کے لئے ناقابل برداشت کو برداشت کرنا ہے۔ مگر اسی کو خدا نے اپنی جنت کی قیمت بنا دیا ہے۔ جنت کی انوکھی نعمت اسی خوش نصیب کے حصہ میں آئے گی جو اس انوکھے عطیہ کی صورت میں اس کی قیمت پیش کر دے۔

خدا کی یاد

اخبار ہندستان ٹائمس کے ایڈیٹر نے ایک فیلڈ اسٹڈی (۵ مئی ۱۹۸۲) کے ذریعہ ہندستانی یوں کا مزاج معلوم کیا۔ وہ اپنے مطالعہ کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے کہ ہندستانیوں کا حال یہ ہے کہ جب کوئی مصیبت پڑتی ہے تو خدا ان کے یہاں سب سے اوپر ہوتا ہے۔ جب ہر چیز ٹھیک ہو تو پیسہ سب سے پر آجاتا ہے اور خدا کو دوسرے درجہ میں پہنچا دیتا ہے:

When a catastrophe strikes. God is tops. When all is tranquil, money manages to push God down to the second place.

یہ بات نہ صرف ہندستانیوں کے لئے صحیح ہے بلکہ وہ عام انسانوں کے لئے بھی بڑی حد تک رست ہے۔ انسان کا حال یہ ہے کہ تکلیف اور بے بسی کے لمحات میں وہ سب سے زیادہ خدا کو یاد کرتا ہے۔ اس وقت اس کی ساری توجہ خدا کی طرف لگ جاتی ہے۔ مگر جب حالات اچھے ہوں اور کوئی ریشانی سامنے نہ ہو تو وہ اپنے مادی مفادات کو اپنی تمام توجہ کا مرکز بنا لیتا ہے۔

مگر اس قسم کی خدا پرستی خدا پرستی نہیں۔ وہ صرف آدمی کے اس جرم کو بتاتی ہے کہ وہ اپنے رب کو بھولا ہوا تھا۔ وہ وقت جب کہ اسے خدا کو یاد کرنا چاہئے تھا اس وقت اس نے خدا کو یاد نہیں کیا۔ یہاں تک کہ خدا نے اس کی حقیقت اس پر کھول دی۔ اس کی آنکھ سے غفلت کا پردہ ہٹ گیا۔ جب ایسا ہوا تو وہ گھبرا کر خدا کو پکارنے لگا۔

انسان ایک آزاد اور با اختیار مخلوق ہے۔ اس سے آزادانہ خدا پرستی مطلوب ہے نہ کہ مجبورانہ۔ انسان کا یاد کرنا وہ یاد کرنا ہے جب کہ اس نے راحت کے لمحات میں خدا کو یاد کیا ہو۔ راحت کے وقت خدا کو بھلائے رکھنا اور جب مصیبت آئے تو خدا کی طرف دوڑنا ایک ایسا عمل ہے جس کی خدا کے یہاں کوئی قیمت نہیں۔

پھر یہ واقعہ بتاتا ہے کہ جو لوگ دولت کو سب سے بڑا درجہ دئے ہوئے ہیں وہ جھوٹے معبود کو اپنا معبود بنائے ہوئے ہیں۔ جو چیز مصیبت کے وقت آدمی کا سہارا نہ بنے، جس کو آدمی خود نازک لمحات میں بھول جائے وہ کسی کا معبود کس طرح ہو سکتی ہے۔

محل سے کھنڈر

اندلس کے مسلم حکمرانوں میں سلطان عبد الرحمٰن ثالث بہت مشہور ہے۔ وہ ۳۰۰ھ میں تخت سلطنت پر بیٹھا اور ۳۵۰ھ میں بہتر سال کی عمر میں وفات پائی۔ اس کی ایک عیسائی بیوی تھی جس کا نام زہرا تھا۔ سلطان نے اپنی اس بیوی کے نام پر قرطبہ کے کنارے ایک شاندار محل تعمیر کیا اور اس کا نام الزہرار رکھا۔ چار میل لمبا اور تین میل چوڑا یہ محل اتنا بڑا تھا کہ اس کو قصر الزہرار کے بجائے مدینۃ الزہرار کہنے لگے۔ اس محل کی تعمیر ۳۲۵ھ میں شروع ہوئی اور پچیس سال میں ۳۵۰ھ میں مکمل ہوئی۔ المقری نے اس محل کی جو تفصیلات لکھی ہیں اس کے لحاظ سے یہ محل الف لیلہ کا کوئی طلسماتی شہر معلوم ہوتا ہے۔

اس محل کے بنانے پر دس ہزار معمار، چار ہزار اونٹ اور خچر روزانہ کام کرتے تھے۔ اس میں ۴۳۱۶ برج اور ستون تھے۔ سنگ مرمر اور دوسرے بہت سے قیمتی سامان فرانس، ترکی، یونان، شام اور افریقہ کے ملکوں کے بادشاہوں نے بطور تحفہ دئے تھے۔ اس کی چھتوں میں سونے چاندی کا کام اس کثرت سے کیا گیا تھا کہ دیکھنے والوں کی آنکھ چمکتی تھی۔ اس محل کے انتظام اور نگرانی کے لئے ۱۳۷۵۰ ملازم مقرر تھے۔ اس کے علاوہ ۱۳۳۸۲ غلام تھے۔ حرم سرا کے اندر چھ ہزار عورتیں خدمت گزاری کے لئے حاضر رہا کرتی تھیں۔ سارا قصر باغات اور فواروں سے گلزار رہتا تھا۔ یورپ اور دوسرے ملکوں کے سیاح کثرت سے اس کو دیکھنے کے لئے آتے رہتے تھے۔

مگر اس عظیم الشان محل کا انجام کیا ہوا۔ ۲۵ سال میں موجودہ معیار سے ایک کھرب روپیہ سے بھی زیادہ میں بننے والا محل صرف پچاس سال میں ختم ہو گیا۔ اندلس کے مسلم حکمرانوں کے باہمی اختلافات کی وجہ سے عیسائیوں نے ان کے اوپر قابو پالیا اور ان کو شکست دے کر ان کے نام و نشان تک کو مٹا ڈالا، قرطبہ کا الزہرار کھنڈر بنا دیا گیا۔ اس کے بعد اس پر زمانہ کی گرد پڑتی رہی۔ یہاں تک کہ وہ نظروں سے غائب ہو گیا۔ موجودہ زمانہ میں اس مقام کی کھدائی کی گئی ہے۔ مگر کھدائی کرنے والوں کو وہاں ٹوٹی ہوئی نالیوں کے سوا اور کچھ نہیں ملا۔

دنیا میں عیش و آرام کے نشانات کو مٹا کر خدا دکھاتا ہے کہ اس کی نظر میں یہاں کے عیش و آرام کی کوئی قیمت نہیں، مگر کوئی آدمی اس سے سبق نہیں لیتا۔ ہر بعد والا عین اسی مقام پر اپنا عیش خانہ بنانے میں مصروف ہو جاتا ہے جہاں اس کے پیش رو کا عیش خانہ برباد ہوا تھا۔

گڑھے میں پاؤں

مسٹر پی. وی. وینکٹیشورن ایک سرکاری ادارہ میں چیف مارکٹنگ منیجر تھے۔ ۲۹ مئی ۱۹۸۲ کی شام کو انھوں نے دہلی کے گوپالا ٹاور میں ایک میٹنگ میں شرکت کی۔ آٹھویں منزل پر اپنی میٹنگ سے فارغ ہو کر وہ دفتر سے باہر نکلے تو بجلی فیل ہو چکی تھی۔ وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ لفٹ تک آئے۔ انھوں نے دیکھا کہ اس کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔ وہ سمجھے کہ لفٹ آگئی ہے حالاں کہ لفٹ ابھی اوپر نویں منزل پر تھی۔ مسٹر وینکٹیشور لفٹ کے دروازے کی طرف لپکے۔ اس وقت وہ میٹنگ کے فیصلوں سے اتنا خوش تھے کہ وہ صورت حال کی نزاکت کا اندازہ نہ کر سکے۔ انھوں نے اپنا ایک پاؤں لفٹ کے اندر ڈال دیا۔ مگر وہاں خالی تھا۔ وہ اچانک آٹھویں منزل سے زمین پر آ گئے۔ ان کا ذاتی ڈاکٹر ان کے ساتھ تھا مگر وہ صرف یہ خدمت انجام دے سکا کہ نیچے اتر کر ان کی لاش کو دیکھے اور ان کے مردہ ہونے کا اعلان کرے۔ موت کے وقت ان کی عمر اکیاون سال تھی (ہندستان ٹائمس ۳۰ مئی ۱۹۸۲)

مسٹر وینکٹیشور ایک نہایت کامیاب افسر تھے۔ حال میں ایک سرکاری جرنل میں ان کے بارے میں یہ الفاظ چھپے تھے —— ایک بہادر کارکن، ایک مستعد اور اختراعی منتظم، جس کے اندر میں آگ لگی ہوئی ہو اور جس کے دماغ میں نظریات کا خزانہ ہو، ایک ہوشیار جنرل:

A thoroughbred professional and a dashing, innovative manager with fire in his belly and ideas in his mind, an astute general

دنیا کے اعتبار سے مسٹر وینکٹیشور کا کیس ایک انوکھا کیس ہے۔ مگر آخرت کے اعتبار سے ہر آدمی یہی فعل انجام دے رہا ہے۔ ہر آدمی عقل مندی اور کامیابی کے جوش میں ایسی جگہ اپنا پاؤں رکھ رہا ہے جو اس کو سیدھے آخرت کے گڑھے میں گرا دینے والا ہے —— کسی کو بے عزت کرنے والے الفاظ بولنا، کسی کو ستانے کے لئے اقدام کرنا، کسی کے خلاف ضد اور انتقام کے تحت کارروائی کرنا، کسی کے ساتھ ظلم اور بے انصافی برتنا۔ کسی کو ناحق اپنے زور وطاقت کا نشانہ بنانا، کسی کا بے دلیل مذاق اڑانا، یہ سب گویا "آٹھویں منزل" کے خالی مقام پر پاؤں رکھنا ہے۔ ایسا ہر اقدام آدمی کو تباہی کے نچلے گڑھے میں پہنچا دیتا ہے۔ اس کے بعد نہ اس کے ساتھی اس کو بچانے والے ثابت ہو سکتے ہیں نہ اس کی خوش فہمیاں —— ہر آدمی گڑھے میں پاؤں رکھ رہا ہے۔ اگرچہ بطور خود وہ سمجھتا ہے کہ وہ محفوظ تختہ پر اپنا قدم جمائے ہوئے ہے۔

ارتقاء علم کی کسوٹی پر

حیاتیاتی ارتقا کے متعلق چارلس ڈاروِن کی کتاب ۱۸۵۹ میں شائع ہوئی تو مغربی اقوام کے درمیان اس کو غیر معمولی مقبولیت حاصل ہوئی۔ اس کتاب میں زندگی کی پیدائش کے بارے میں جو نظریہ پیش کیا گیا تھا وہ اس کے نام سے ظاہر ہے۔ اس کے پہلے ایڈیشن میں ٹائٹل پر حسب ذیل نام درج تھا:

The Origin of Species of natural Selection, or the Preservation of Favoured Species in the Struggle for Life

ڈاروِن کے نظریہ کا خلاصہ یہ تھا کہ کسی جاندار سے جب چند بچے پیدا ہوتے ہیں تو ان میں تھوڑا تھوڑا فرق ہوتا ہے۔ ان میں سے کسی کا فرق اس کو دوسرے ہم جنسوں کے مقابلہ میں زیادہ بہتر پوزیشن میں کر دیتا ہے، اسی بنا پر وہ زندہ رہتا ہے اور دوسرے ختم ہو جاتے ہیں۔ یہ فرق توالد وتناسل کے ذریعہ بڑھتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ لاکھوں سال میں یہ نوبت آتی ہے کہ ایک نوع کا جانور دوسری نوع میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ مثلاً بکری کا گھوڑا بن جانا۔ اس طرح مختلف جاندار ارتقا کی سیڑھیوں پر چڑھتے رہتے ہیں یہاں تک کہ انسان وجود میں آجاتا ہے۔

بظاہر اس خوبصورت نظریہ میں بہت سے خلا تھے۔ مثلاً یہ کہ ارتقا اگر ایک مسلسل عمل ہے تو کیوں ایسا ہے کہ زمین کے طبقات سے حاصل ہونے والے متحجرات صرف کمال کے مرحلہ کو پہنچے ہوئے انواع حیات کا نمونہ پیش کرتے ہیں۔ کیوں نہ ایسا ہوا کہ درمیانی مرحلہ کی قسمیں بھی کثیر تعداد میں موجود ہوتیں۔ یعنی ایسے جانور جو آدھا ایک جیسے ہوں اور آدھا دوسرے جیسے:

If evolution has been a continuous process, why does the fossil record only show us apparently settled and established species. Why does it not include an abundance of intermediate forms.

ڈاروِن کا جواب یہ تھا کہ متحجرات کا ذخیرہ ابھی ناتمام ہے۔ آئندہ جب زیادہ متحجرات دستیاب ہو چکے ہوں گے تو یہ کمی دور ہو جائے گی۔ ڈاروِن کے بعد مزید بہت زیادہ متحجرات انسان کے علم میں آئے۔ مگر مذکورہ کمی اس کے باوجود بدستور باقی رہی۔

اس قسم کی کثیر خامیوں کے باوجود ڈاروِنزم کو کیوں اتنی زیادہ مقبولیت حاصل ہوئی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ نظریہ ۱۹ویں صدی کے مغربی انسان کی نوآبادیاتی توسیع پسندی کے عین مطابق تھا۔ برٹرینڈ رسل کے الفاظ میں "یہ آزاد اقتصادیات کے اصول کو نباتات اور حیوانات کی دنیا تک وسیع کرنا تھا":

It was an extension to the animal and vegetable world of laissez-faire economics.

قدیم معقولات

بوعلی سینا ایک مشہور مسلم فلسفی تھا۔ کہا جاتا ہے کہ جب وہ مرض الموت میں مبتلا ہوا تو اس نے مرنے سے پہلے اپنے فلسفیانہ خیالات سے توبہ کی اور آخر میں کہا: "خدا سچا ہے اور بوعلی سینا جھوٹا ہے"۔ بوعلی سینا کا فلسفہ کفر کا فلسفہ نہ تھا۔ وہ اسلامی عقائد کو قدیم فلسفیانہ اسلوب میں بیان کرنے کی ایک کوشش تھی۔ پھر اس نے ایسا کیوں کیا۔ اس کی وجہ اسلوب بحث کا وہ فرق ہے جو قرآن وحدیث کے اسلام اور متکلمین کے اسلام میں پایا جاتا ہے۔ موت کے وقت بوعلی سینا، رازی اور دوسرے متکلمین کو اس کا احساس ہوا اور انھوں نے فلسفیانہ اسلام پر مرنے کے بجائے قرآنی اسلام پر مرنا پسند کیا۔

پھر ایسا کیوں ہوا کہ اسلام کا علم کلام قرآن کے فطری اسلوب میں مرتب ہونے کے بجائے فلسفہ کے منطقی اسلوب میں مرتب کیا گیا، اس کا سبب وقتی حالات تھے۔ بنو امیہ کے عہد کے آخر اور بنو عباس کے عہد کے آغاز میں شام و مصر وغیرہ کے علاقوں کے یہودی اور مسیحی کثرت سے مسلمان ہوئے۔ اس سے کلیسا کے ذمہ داروں کو پریشانی ہوئی۔ مسیحی کلیسا صدیوں سے فلسفیانہ بحث مباحثہ میں مشغول تھا۔ اس کے مقابلہ میں عرب مسلمان فلسفیانہ طرز کلام سے بالکل ناآشنا تھے۔ انھوں نے اس صورت حال سے فائدہ اٹھاکر مسلمانوں سے فلسفیانہ مناظرے شروع کر دئے۔

"خدا کی فطرت کس کو کہتے ہیں"، اس سے مراد کیا ہے کہ خدا قادر مطلق اور عالم مطلق ہے۔ خدا کے علم اور خدا کی صفات میں کیا تعلق ہے۔ اگر خدا نے اپنے ناقابل تغیر فیصلہ سے ہر چیز کی تقدیر معین کر دی ہے تو پھر انسان کے فاعل مختار ہونے کا مطلب کیا ہے"، مسلمان اس قسم کی بحثوں سے ناآشنا تھے، جب کہ مسیحی علماء ان کے تعلیم و تعلم میں مشغول ہونے کی وجہ سے ان میں خوب ماہر ہو چکے تھے۔ چنانچہ ابتداءً مسلمانوں کو شکست کا سامنا کرنا پڑا۔

دمشق کا سینٹ جان جب اس انداز پر بحث کرتا تو وہ مسلمانوں کو بے جواب کر دیتا۔ تاہم مسلمانوں نے اپنے مخالفین کو، جو یونانی بحث و مناظرہ کے ہتھیاروں سے مسلح تھے، زیادہ مدت تک تفوق کا موقع نہیں دیا۔ انھوں نے فلسفہ و منطق کو پڑھنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ وہ اس انداز بحث کے ماہر بن گئے جو یونانی اور شامی حکما کی کتابوں میں موجود تھا۔ حتیٰ کہ المامون (۱۹۸ — ۲۱۸ھ) کے زمانہ میں بغداد میں بیت الحکمت کے قیام

کے بعد انھوں نے اپنے حریفوں پر واضح برتری حاصل کرلی۔

اسلام اور غیر اسلام کے مقابلہ میں اسلام جیت گیا۔ یہ انداز کلام اگرچہ قرآن وحدیث کے لئے اجنبی تھا۔ تاہم اگر اس کی حیثیت ایک وقتی ہتھیار کی ہوتی تو اس سے اسلام کو کوئی حقیقی نقصان نہ ہوتا۔ مگر غلطی یہ ہوئی کہ اس کو اسلام کے نصاب تعلیم کا جزر بنا دیا گیا۔ اب ایسے علمار پیدا ہونے لگے جو اس انداز کلام کے ماہر تھے۔ اس طرح اسلامی تاریخ میں اس کا تسلسل قائم ہوگیا۔ ایک وقتی اہمیت کی چیز اسلام کا مستقل جزر بنتی چلی گئی، حتیٰ کہ وہ مقدس حیثیت اختیار کرگئی۔ اب اس کو بدلنا لوگوں کو ایسا ہی معلوم ہونے لگا جیسے قرآن وحدیث کو بدلنا۔ "خدا ادراک کی علت ہے۔ ادراک نفس کی علت ہے۔ نفس فطرت کی علت ہے۔ فطرت تمام افراد اشیار کی علت ہے اور پھر خدا ہر شئے کی علت ہے" اس قسم کی پُر پیچ باتیں کرنے والا عالم ہے۔ اور جو ایسی باتیں نہ کرسکے وہ جاہل۔

اس کے بعد شدید تر غلطی یہ ہوئی کہ اسلامی علوم، مثلاً علم عقائد، علم فقہ، علم کلام اسی مخصوص فنی زبان میں مرتب کر دئے گئے۔ چنانچہ آج کوئی شخص اصول فقہ کی کتابوں کو اس وقت تک سمجھ نہیں سکتا جب تک وہ اس چیز سے بخوبی واقف نہ ہو جس کو معقولات کہا جاتا ہے، یہاں پہنچ کر وہ چیز مسلمانوں کو قرآنی اسلام سے دور کرنے کا سبب بن گئی جس کو ابتداءً غیر مسلموں کو اسلام سے قریب لانے کے لئے ایک علمی ہتھیار کے طور پر استعمال کیا گیا تھا۔

آج کا مسلمان دو چیزوں کے درمیان ہے۔ وہ یا تو قرآن وحدیث والے فطری اسلام کو لے اور منطقی اسلام کو چھوڑ دے یا منطقی اسلام کو لے اور قرآن وحدیث والے فطری اسلام کو چھوڑے رکھے۔ یہ یقینی ہے کہ بیک وقت وہ دونوں چیزوں کو نہیں لے سکتا۔ ایک چیز کو لینے کے لئے بہر حال اس کو دوسری چیز چھوڑنی پڑے گی۔

موجودہ زمانہ میں ہم دیکھتے ہیں کہ لوگ اسلامی تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ وہ اسلامیات کا گہرا مطالعہ کرتے ہیں۔ اس کے باوجود ان کے اندر قرآنی ذہن پیدا نہیں ہوتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے اسلامی مطالعہ کا مرکز قرآن ہے ہی نہیں۔ وہ قرآن یا اسلام کے مطالعہ کے نام پر مذکورہ بالا قسم کی فنی کتابیں پڑھتے ہیں نہ کہ اصل قرآن۔ پھر جو اسلام وہ پڑھتے ہیں وہی ان کا دینی ذہن بنائے گا نہ کہ وہ اسلام جو انھوں نے پڑھا ہی نہیں۔

زبان جنت بھی ہے اور زبان جہنم بھی

حضرت ابوالدرداء انصاری نے فرمایا، مومن کے جسم کا کوئی حصہ اللہ کو اتنا محبوب نہیں جتنا کہ اس کی زبان، اس کے ذریعہ وہ اس کو جنت میں داخل کرے گا۔ اور کافر کے جسم کا کوئی حصہ اللہ کو اتنا مبغوض نہیں جتنا کہ اس کی زبان، جس کے ذریعہ وہ اس کو آگ میں داخل کرے گا۔ (ما فی المومن بضعۃ احب الی اللہ عز وجل من لسانہ بہ یدخلہ الجنۃ وما فی الکافر بضعۃ ابغض الی اللہ عز وجل من لسانہ، بہ یدخلہ النار، حلیۃ الاولیاء لابی نعیم جلد ۱)

چپ رہنا بھی ایک عمل ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: چپ رہو الا یہ کہ بھلی بات کہنا ہو (الصمت الا من خیر)

اللہ سے ڈرنے والا زبان کو روکنے والا ہوتا ہے

ایک شخص نے حضرت عبداللہ سے کہا کہ مجھے نصیحت کیجئے۔ انھوں نے کہا: اپنے گھر کو اپنے لئے کافی سمجھ، اپنی زبان کو روک لے اور اپنی خطاؤں کو یاد کر کے رویا کر (لیسعک بیتک واکفف لسانک وابک علی ذکر خطیئتک۔ حلیۃ الاولیاء لابی نعیم)

سب سے زیادہ گناہ زبان سے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انسان کی اکثر خطائیں زبان سے ہوتی ہیں (اکثر خطایا ابن آدم من لسانہ)

خاموشی ایک علم ہے

ابن عساکر نے حضرت ابوالدرداء انصاری سے نقل کیا ہے۔ انھوں نے فرمایا، تم خاموشی کو سیکھو جس طرح تم بولنا سیکھتے ہو۔ کیونکہ خاموشی بہت بڑی بردباری ہے۔ اور تم سنانے سے زیادہ سننے کے حریص بنو۔ اور تم ایسی چیز کے بارے میں بات مت کرو جس کا تمھیں کوئی فائدہ نہ ہو۔ اور عجب کے بغیر ہنسنے والا نہ بن۔ اور بغیر حاجت کی طرف چلنے والا نہ بن (تعلموا الصمت کما تعلمون الکلام فان الصمت حلم عظیم وکن الی أن تسمع احرص منک الی ان تتکلم ولا تتکلم فی شیء لا یعنیک ولا تکن مضحاکا من غیر عجب ولا مشاء الی غیر ارب

کنز الاعمال جلد دوم)

کسی کو برے نام سے نہ پکارو

حضرت عطاء بن یسار کہتے ہیں کہ جب حضرت صفیہ (زوجہ رسول) خیبر سے مدینہ آئیں تو حارثہ بن نعمان کے گھر اتاری گئیں۔ جب انصار کی عورتوں نے یہ خبر سنی تو وہ ان کو دیکھنے کے لئے جمع ہو گئیں۔ حضرت عائشہ بھی اپنے اوپر نقاب ڈالے ہوئے آئیں۔ جب وہ دیکھ کر واپس ہوئیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ اے عائشہ تم نے کیا دیکھا۔ انھوں نے جواب دیا کہ ایک یہودیہ دیکھی۔ آپ نے فرمایا ایسا مت کہو، کیونکہ وہ اسلام لے آئی اور اس کا اسلام اچھا رہا (قالت: رایت یہودیۃ، فقال: لا تقولی ذلک فانہا اسلمت وحسن اسلامہا۔ طبقات ابن سعد)

اس ماحول میں کوئی خیر نہیں جہاں احتساب پر پابندی ہو

حضرت ابوبکرہ بیمار ہوئے تو ان کے لڑکے چیخ پڑے۔ حضرت ابوبکرہ نے کہا کہ مجھ پر چلاؤ نہیں۔ خدا کی قسم کوئی جان جو نکالی جانے والی ہو اس کا نکالا جانا مجھے ابوبکرہ کی جان نکالے جانے سے زیادہ پسند نہیں۔ یہ سن کر لوگ گھبرا گئے۔ ان کے لڑکوں نے کہا اے باپ کیوں۔ انھوں نے کہا: میں ڈرتا ہوں کہ کہیں مجھ پر وہ زمانہ آجائے جب کہ میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہ کرسکوں اور اس زمانہ میں کوئی خیر نہ ہوگا (انی اخشیٰ ان ادرک زمانًا لا استطیع ان آمر بالمعروف ولا انھی عن منکر ولا خیر یومئذ، طبرانی)

خدا کا ڈر آدمی کی زبان کو روک دیتا ہے

خلیفہ ثانی عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیا۔ انھوں نے اللہ کی حمد و ثنا کی اور پھر کہا کہ عورتوں کی مہر میں زیادتی نہ کرو۔ اور جب بھی مجھے کسی کے بارے میں یہ اطلاع ملے گی کہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مہر (تقریبًا ۴۰۰ درہم) سے زیادہ مہر مقرر کیا ہے تو میں اس زیادتی کو لے کر بیت المال میں جمع کر دوں گا۔ اس کے بعد وہ منبر سے اترے تو قریش کی ایک عورت ان کے سامنے آئی۔ اس نے کہا: اے امیر المومنین، خدا کی کتاب زیادہ قابل اتباع ہے یا آپ کا قول (اکتاب اللہ احق ان یتبع ام قولک) حضرت عمر نے کہا کہ اللہ کی کتاب۔ مگر یہ بات تو نے کس لئے کہی۔ عورت نے کہا۔ آپ نے ابھی لوگوں کو منع کیا ہے کہ وہ عورتوں کی مہر زیادہ نہ باندھیں۔ حالانکہ اللہ اپنی کتاب میں فرماتا ہے: وآتیتم احدٰھن قنطارًا فلا تاخذ وامنہ شیئًا۔ یعنی اگر تم نے ان میں سے کسی کو ڈھیر سا مال دیا ہے تو اس میں سے کچھ واپس نہ لو۔ حضرت عمر نے کہا ہر شخص عمر سے زیادہ عالم ہے (کل احد افقہ من عمر) اس جملہ کو تین بار فرمایا۔ اس کے بعد دوبارہ منبر کی طرف لوٹے اور کہا میں نے تم کو عورتوں کا مہر زیادہ باندھنے سے منع کیا تھا اب ہر آدمی کو اختیار ہے کہ اپنے مال میں جو چاہے کرے۔ حضرت عمر نے مزید کہا کہ مہر اگر آخرت میں فخر اور بڑائی کی چیز ہوتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹیاں اور آپ کی عورتیں اس کی زیادہ مستحق تھیں (لو کان المھر سناء و رفعۃ فی الآخرۃ کان بنات النبی صلی اللہ علیہ وسلم ونساءہ احق بذلک، کنز العمال جلد ۸)

نصیحت کا گوارا کرنا اسلامیت کی پہچان ہے

عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ نے کہا: بے شک تم خیر پر رہو گے جب تک تم برائیوں کو پہچانو گے اور جب تک تم بھلائیوں کا انکار نہ کرو گے۔ اور جب تک تمہارا عالم تم میں کھڑا ہو کر تم کو نصیحت کرے گا اور اس کو ہلکا نہ سمجھا جائے گا (انکم لن تبرحوا بخیر ما دمتم تعرفون ما کنتم تنکرون ولا تنکرون ما کنتم تعرفون وما قام عالمکم یتکلم بینکم غیر مستخف، کنز العمال جلد ۲)

مومن نرم مزاج والا انسان ہوتا ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ اس آدمی پر رحم فرمائے جو خریدتے اور بیچتے وقت نرم ہو اور قرض کا تقاضا کرتے ہوئے نرمی کا طریقہ اختیار کرے (رحم اللہ رجلا سمحا اذا باع واذا اشتری واذا اقتضی)

زبان شر ہے اور زبان خیر بھی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بھلی بات کہو تم فائدہ حاصل کروگے اور شر سے خاموشی برتو تم محفوظ رہوگے (قولوا خیرا تغنموا واسکتوا عن شر تسلموا، طبرانی)

ہر چیز پر صبر و شکر کے ساتھ راضی رہنا

حضرت ابوایوب انصاری سے ایک شخص نے پوچھا کہ پیغمبر اسلام کا مزاج کیسا تھا۔ انھوں نے جواب دیا کہ آپ کا حال یہ تھا کہ آپ نے کبھی کسی کھانے کی فرمائش نہیں کی اور جو کھانا آپ کے سامنے پیش کیا گیا، آپ نے کبھی اس کی برائی نہ کی، (وفاء الوفاء جلد ۱)

ٹکراؤ کرنے سے پہلے اپنی طاقت کا جائزہ لو

حضرت عبداللہ بن عمر کہتے ہیں کہ میں نے حجاج کو خطبہ دیتے ہوئے سنا۔ اس نے ایک ایسی بات کہی جو مجھے اچھی نہ لگی۔ میں نے چاہا کہ اس کی تردید کروں۔ مگر مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول یاد آگیا کہ مومن کے لئے مناسب نہیں کہ اپنے آپ کو ذلیل کرے۔ حضرت ابن عمر کہتے ہیں کہ میں نے کہا اے خدا کے رسول، کوئی شخص کس طرح اپنے آپ کو ذلیل کرتا ہے، آپ نے فرمایا کہ ایسی آفت سے چھیڑ کرے جس سے مقابلہ کی طاقت نہ رکھتا ہو۔ (لا ینبغی للمؤمن ان یذل نفسہ قال قلت یارسول اللہ، کیف یذل نفسہ۔ قال یتعرض من البلاء لما لا یطیق۔ رواہ البزار والطبرانی)

مومن کی زبان کیسی زبان ہوتی ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مومن نہ کسی کو طعنہ دیتا ہے، نہ وہ کسی کو لعنت کرتا ہے، نہ وہ فحش گوئی کرتا ہے اور نہ وہ بدزبانی کرنے والا ہوتا ہے (لیس المومن بالطعان ولا اللعان ولا الفاحش ولا البذی۔ ترمذی)

اچھا مسلمان وہ ہے جو کردار میں اچھا ہو

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کون مسلمان سب سے افضل ہے۔ آپ نے فرمایا: وہ جس کی زبان اور جس کے ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں (من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ۔ متفق علیہ)

وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ ۙ قَالَ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا ائْتِ بِقُرْآنٍ غَيْرِ
هَٰذَا أَوْ بَدِّلْهُ ۚ قُلْ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أُبَدِّلَهُ مِنْ تِلْقَاءِ نَفْسِي ۖ إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا
مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ ۖ إِنِّي أَخَافُ إِنْ عَصَيْتُ رَبِّي عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ﴿۱۵﴾ قُلْ لَوْ
شَاءَ اللَّهُ مَا تَلَوْتُهُ عَلَيْكُمْ وَلَا أَدْرَاكُمْ بِهِ ۖ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِنْ قَبْلِهِ ۚ
أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿۱۶﴾ فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَوْ كَذَّبَ بِآيَاتِهِ ۚ
إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الْمُجْرِمُونَ ﴿۱۷﴾

اور جب ان کو ہماری کھلی ہوئی آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو جن لوگوں کو ہمارے پاس آنے کا کھٹکا نہیں ہے وہ کہتے ہیں کہ اس کے سوا کوئی اور قرآن لاؤ یا اس کو بدل دو۔ کہو کہ میرا یہ کام نہیں کہ میں اپنے جی سے اس کو بدل دوں۔ میں تو صرف اس وحی کی پیروی کرتا ہوں جو میرے پاس آتی ہے۔ اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو میں ایک بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔ کہو کہ اگر اللہ چاہتا تو میں اس کو تمھیں نہ سناتا اور نہ اللہ اس سے تمھیں باخبر کرتا۔ میں اس سے پہلے تمھارے درمیان ایک عمر بسر کر چکا ہوں۔ پھر کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے، اس سے بڑھ کر ظالم اور کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ بہتان باندھے یا اس کی نشانیوں کو جھٹلائے۔ یقیناً مجرموں کو فلاح حاصل نہیں ہوتی ۱۷ — ۱۵

مکہ کے قریش خدا اور رسول کو مانتے تھے۔ وہ اپنے کو ملت ابراہیمی کا پیرو کہتے تھے۔ حتیٰ کہ اسلام کی بہت سی دینی اصطلاحیں مثلاً صلاۃ، صوم، زکوٰۃ، حج وغیرہ وہی ہیں جو پہلے سے ان کے یہاں رائج تھیں۔ اس کے باوجود کیوں انھوں نے کہا کہ دوسرا قرآن لاؤ یا اس قرآن میں کچھ ترمیم کردو تب ہم اس کو مانیں گے۔

اس کی وجہ یہ تھی کہ قرآن میں خدا کے خالص دین کا اعلان تھا۔ جب کہ قریش خدا کے دین کے نام پر ایک ملاوٹی دین کو اختیار کیے ہوئے تھے۔

قرآن کی توحید سے ان کے مشرکانہ عقیدۂ خدا پر زد پڑتی تھی۔ قرآن کے تصور عبادت کی روشنی میں ان کی عبادتیں محض کھیل تماشا معلوم ہوتی تھیں۔ وہ پیغمبر کو اپنے قومی فخر کا نشان بنائے ہوئے تھے اور قرآن اُن سے ایک ایسے پیغمبر کو ماننے کا مطالبہ کر رہا تھا جو ان کی عملی زندگی میں رہنما کا درجہ حاصل کرلے۔ انھوں نے کعبہ کی خدمت کو اپنی دینداری کا سب سے بڑا ثبوت سمجھ رکھا تھا جب کہ قرآن نے بتایا کہ دین داری یہ ہے کہ آدمی خدا سے ڈرے اور جو کچھ کرے آخرت کو سامنے رکھ کر کرے۔

آدمی چند الفاظ بول کر حق کو نظر انداز کر دیتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے دل میں "کھٹکا" نہیں ہوتا۔ اگر آدمی کے دل میں یہ کھٹکا لگا ہوا ہو کہ وہ اپنے قول و فعل کے لئے خدا کے یہاں جواب دہ ہے تو وہ فوراً سنجیدہ ہو جائے گا۔ اور جو شخص سنجیدہ ہو وہ معاملہ کو حقیقت پسندی کی نظر سے دیکھے گا، وہ سرسری طور پر اس کو نظر انداز نہیں کر سکتا۔

وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ ؕ قُلْ اَتُنَبِّـُٔوْنَ اللّٰهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۱۸﴾ وَمَا كَانَ النَّاسُ اِلَّآ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوْا ؕ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ فِيْمَا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۹﴾

اور وہ اللہ کے سوا ایسی چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جو ان کو نہ نقصان پہنچا سکیں اور نہ نفع پہنچا سکیں۔ اور وہ کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے یہاں ہمارے سفارشی ہیں۔ کہو، کیا تم اللہ کو ایسی چیز کی خبر دیتے ہو جو اس کو آسمانوں اور زمین میں معلوم نہیں۔ وہ پاک اور برتر ہے اس سے جس کو وہ شریک کرتے ہیں۔ اور لوگ ایک ہی امت تھے۔ پھر انھوں نے اختلاف کیا۔ اور اگر تمھارے رب کی طرف سے ایک بات پہلے سے نہ ٹھہر چکی ہوتی تو ان کے درمیان اس امر کا فیصلہ کر دیا جاتا جس میں وہ اختلاف کر رہے ہیں ۱۹ — ۱۸

ہماری دنیا میں جو واقعات ہو رہے ہیں وہ بظاہر مادی اسباب کے تحت ہو رہے ہیں۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ تمام واقعات کے پیچھے خدا کا تصرف کام کر رہا ہے۔ اس دنیا میں کسی کو کوئی ذاتی اختیار حاصل ہی نہیں۔ توحید یہ ہے کہ آدمی ظاہری چیزوں سے گزر کر غیب میں چھپے ہوئے خدا کو پالے۔ اس کے مقابلہ میں شرک یہ ہے کہ آدمی ظاہری چیزوں میں اٹک کر رہ جائے۔ وہ چیزوں ہی کو چیزوں کے خالق کا مقام دے دے۔

اس دنیا میں خدا کے سوا کسی کے پاس نفع دینے یا نقصان پہنچانے کی طاقت نہیں۔ جو آدمی اس حقیقت کو پالیتا ہے اس کی تمام توجہ خدا کی طرف لگ جاتی ہے۔ وہ خدا ہی کی پرستش کرتا ہے۔ وہ اسی سے ڈرتا ہے اور اسی سے امیدیں قائم کرتا ہے۔ وہ اپنا سب کچھ ایک خدا کو بنا لیتا ہے۔ اس کے برعکس جو لوگ چیزوں میں اٹکے ہوئے ہوں وہ اپنے ذوق کے لحاظ سے کسی غیر خدا کو اپنا خدا بنا لیتے ہیں اور ان غیر خداؤں سے وہی امیدیں اور اندیشے وابستہ کر لیتے ہیں جو درحقیقت خدائے واحد کے ساتھ وابستہ کرنا چاہئے۔ اسی کی ایک صورت شفاعت کا عقیدہ ہے۔ لوگ یہ فرض کر لیتے ہیں کہ انسانوں یا غیر انسانوں میں کچھ ایسی برتر ہستیاں ہیں جو خدا کی نظر میں

مقدس ہیں۔ خدا ان کی سنتا ہے اور ان کی سفارش پر دنیوی رزق یا اخروی نجات کے فیصلے کرتا ہے۔ مگر اس قسم کا عقیدہ باطل ہے۔ وہ خدا کی خدائی کا کمتر اندازہ ہے۔

خدا اس قسم کے ہر شرک سے پاک ہے۔ خدا اپنی صفات کا جو تعارف اپنی عظیم کائنات میں کرا رہا ہے اس کے لحاظ سے اس قسم کے تمام عقائد بالکل بے جوڑ ہیں۔ ایسے کسی عقیدہ کا مطلب یہ ہے کہ خدا وہ نہیں ہے جو بظاہر اپنی تخلیقی صفات کے آئینہ میں نظر آ رہا ہے یا پھر خدا کی صفتوں میں تضاد ہے۔ ظاہر ہے کہ ان دونوں میں سے کوئی چیز ممکن نہیں۔

خدا نے انسانیت کا آغاز دین فطرت سے کیا تھا۔ اس وقت تمام انسانوں کا ایک ہی دین تھا۔ اس کے بعد لوگوں نے فرق کرکے دین کے مختلف روپ بنالئے۔ اس کی وجہ اس آزادی کا غلط استعمال ہے جو لوگوں کو امتحان کی غرض سے دی گئی ہے۔ اگر خدا ظاہر ہو جائے تو اس کی طاقتوں کو دیکھ کر لوگوں کی سرکشی ختم ہو جائے اور اچانک اختلافات کی جگہ اتحاد پیدا ہو جائے۔ کیونکہ شدت خوف رایوں کے تعدد کو ختم کر دیتا ہے۔ مگر خدا قیامت سے پہلے اس صورت حال میں مداخلت نہیں کرے گا۔ موجودہ دنیا کو خدا نے امتحان کے لئے بنایا ہے اور امتحان کی فضا باقی رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ حقیقت چھپی رہے اور لوگوں کو موقع ہو کہ وہ اپنی عقل کو صحیح رخ پر بھی استعمال کر سکیں اور غلط رخ پر بھی۔

وَيَقُولُونَ لَوْلَآ أُنزِلَ عَلَيْهِ ءَايَةٌ مِّن رَّبِّهِۦ ۖ فَقُلْ إِنَّمَا ٱلْغَيْبُ لِلَّهِ فَٱنتَظِرُوٓا۟ إِنِّى مَعَكُم مِّنَ ٱلْمُنتَظِرِينَ ﴿٢٠﴾ وَإِذَآ أَذَقْنَا ٱلنَّاسَ رَحْمَةً مِّنۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُمْ إِذَا لَهُم مَّكْرٌ فِىٓ ءَايَاتِنَا ۚ قُلِ ٱللَّهُ أَسْرَعُ مَكْرًا ۚ إِنَّ رُسُلَنَا يَكْتُبُونَ مَا تَمْكُرُونَ ﴿٢١﴾

اور وہ کہتے ہیں کہ نبی پر اس کے رب کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہیں اتاری گئی، کہو کہ غیب کی خبر تو اللہ ہی کو ہے۔ تم لوگ انتظار کرو، میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں۔ اور جب کوئی تکلیف پڑنے کے بعد ہم لوگوں کو اپنی رحمت کا مزا چکھاتے ہیں تو وہ فوراً ہماری نشانیوں کے معاملہ میں حیلے بنانے لگتے ہیں۔ کہو کہ خدا اپنے حیلوں میں ان سے بھی زیادہ تیز ہے۔ یقیناً ہمارے فرشتے تمہاری حیلہ بازیوں کو لکھ رہے ہیں ۲۰—۲۱

مکہ کے لوگ جب مسلسل انکار کی روش پر قائم رہے تو خدا نے ان پر قحط بھیجا جو سات سال مسلسل رہا اور بالآخر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کے بعد ختم ہوا۔ یہ ایک نشانی تھی جس سے انھیں یہ سبق لینا چاہئے تھا کہ رسول کا انکار کرنے کے بعد وہ خدائی پکڑ کی زد میں آ جائیں گے۔ مگر ان کا حال یہ ہوا کہ جب تک قحط رہا الحاح وزاری کرتے رہے اور جب قحط رخصت ہوا تو کہنے لگے کہ یہ تو زمانہ کی گردشیں ہیں جو ہر ایک کے ساتھ پیش آتی ہیں۔ اس کا

رسول کو ماننے یا نہ ماننے سے کوئی تعلق نہیں۔

پیغمبر سے لوگ نشانی مانگتے ہیں۔ مگر اصل سوال نشانی کے ظہور کا نہیں بلکہ اس سے سبق لینے کا ہے۔ کیونکہ نشانی صرف دیکھنے کے لئے ہوتی ہے وہ مجبور کرنے کے لئے نہیں ہوتی۔ نشانی ظاہر ہونے کے بعد بھی یہ آدمی کے اپنے اختیار میں ہوتا ہے کہ وہ اس کو مانے یا کوئی جھوٹی توجیہہ نکال کر اسے رد کر دے۔

تاہم جب خدا کی آخری نشانی ظاہر ہوتی ہے تو اس کے مقابلہ میں انسان کو کوئی اختیار نہیں ہوتا۔ یہ آخری نشانی اتمام حجت کے بعد خدا کی عدالت بن کر آتی ہے اور وہ مختلف پیغمبروں کے لئے مختلف صورتوں میں آتی ہے۔ پیغمبر آخر الزماں کے لئے مختلف مصلحتوں کی بنا پر یہ نشانی اس صورت میں ظاہر ہوئی کہ منکرین کو مغلوب کرکے مومنین کو ان کے اوپر غالب کر دیا گیا۔ شاہ عبد القادر صاحب اس سلسلہ میں موضح القرآن میں لکھتے ہیں "یعنی اگر کہیں کہ ہم کیسے جانیں کہ تمھاری بات سچ ہے۔ فرمایا کہ آگے حق تعالیٰ اس دین کو روشن کرے گا اور مخالف ذلیل اور برباد ہو جائیں گے۔ سو ویسا ہی ہوا۔ سچ کی نشانی ایک بار کافی ہے۔ اور ہر بار مخالف ذلیل ہوں تو فیصلہ ہو جائے۔ حالانکہ فیصلہ کا دن دنیا میں نہیں"۔

آدمی جب سرکشی کرتا ہے اور اس کی وجہ سے اس کا کچھ بگڑتا ہوا نظر نہیں آتا تو وہ اور بھی زیادہ ڈھیٹ ہو جاتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ وہ خدا کی پکڑ سے باہر ہے۔ حالانکہ یہ عین خدا کی تدبیر ہوتی ہے۔ خدا سرکش آدمی کو ڈھیل دیتا ہے تاکہ وہ بے فکر ہو کر خوب سرکشی کرے۔ اور اس سرکشی کے دوران خدا کے کارندے پردہ میں رہ کر خاموشی کے ساتھ اس کے تمام اقوال و افعال کو لکھتے رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ جب اس کا وقت پورا ہو جاتا ہے تو اچانک موت کا فرشتہ ظاہر ہو کر اس کو پکڑ لیتا ہے تاکہ اس کو اس کے اعمال کا حساب دینے کے لئے خدا کے سامنے حاضر کر دے۔

هُوَ الَّذِيْ يُسَيِّرُكُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۭ حَتّٰٓي اِذَا كُنْتُمْ فِي الْفُلْكِ ۚ وَجَرَيْنَ بِهِمْ بِرِيْحٍ
طَيِّبَةٍ وَّفَرِحُوْا بِهَا جَاۗءَتْهَا رِيْحٌ عَاصِفٌ وَّجَاۗءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّظَنُّوْٓا
اَنَّهُمْ اُحِيْطَ بِهِمْ ۙ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ڬ لَىِٕنْ اَنْجَيْتَنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ
مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۲۲﴾ فَلَمَّآ اَنْجٰىهُمْ اِذَا هُمْ يَبْغُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۭ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ
اِنَّمَا بَغْيُكُمْ عَلٰٓي اَنْفُسِكُمْ ۙ مَّتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۡ ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُكُمْ فَنُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ
تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۳﴾

وہ اللہ ہی ہے جو تم کو خشکی اور تری میں چلاتا ہے۔ چنانچہ جب تم کشتی میں ہوتے ہو اور کشتیاں لوگوں کو لے کر موافق

ہوا سے چل رہی ہوتی ہیں اور لوگ اس سے خوش ہوتے ہیں کہ یکایک تند ہوا آتی ہے اور ان پر ہر جانب سے موجیں اٹھنے لگتی ہیں اور وہ گمان کر لیتے ہیں کہ ہم گھر گئے۔ اس وقت وہ اپنے دین کو اللہ ہی کے لئے خالص کر کے اس کو پکارنے لگتے ہیں کہ اگر تو نے ہمیں اس سے نجات دے دی تو یقیناً ہم شکر گزار بندے بنیں گے۔ پھر جب وہ ان کو نجات دے دیتا ہے تو فوراً ہی زمین میں ناحق کی سرکشی کرنے لگتے ہیں۔ اے لوگو تمہاری سرکشی تمہارے اپنے ہی خلاف ہے، دنیا کی زندگی کا نفع اٹھالو، پھر تم کو ہماری طرف لوٹ کر آنا ہے، پھر ہم بتا دیں گے جو کچھ تم کر رہے تھے

۲۲ — ۲۳

انسان ایک بے حد حساس وجود ہے۔ وہ تکلیف کو برداشت نہیں کر سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ انسان پر جب تکلیف کا کوئی لمحہ آتا ہے تو وہ فوراً سنجیدہ ہو جاتا ہے۔ اس وقت اس کے ذہن سے تمام مصنوعی پردے ہٹ جاتے ہیں۔ فکر کے لمحات میں آدمی اس حقیقت کا اعتراف کر لیتا ہے جس کا اعتراف کرنے کے لیے وہ بےفکری کے لمحات میں تیار نہ ہوتا تھا۔

اس کی ایک مثال سمندر کا سفر ہے۔ سمندر میں سکون ہو اور کشتی منزل کی طرف رواں ہو تو اس کے مسافروں کے لئے یہ بڑا خوش گوار لمحہ ہوتا ہے۔ اس وقت ان کے اندر ایک جھوٹا اعتماد پیدا ہو جاتا ہے۔ وہ سمجھ لیتے ہیں کہ ان کا معاملہ درست ہے، اب اس کو کوئی بگاڑنے والا نہیں۔

اس کے بعد سمندری ہوائیں اٹھتی ہیں۔ پہاڑ جیسی موجیں مسافروں کو چاروں طرف سے گھیر لیتی ہیں۔ ان کے درمیان بڑے سے بڑا جہاز بھی معمولی تنکے کی طرح ہچکولے کھانے لگتا ہے۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اب ہلاکت کے سوا دوسرا کوئی انجام نہیں۔ اس وقت خدا کے منکر خدا کا اقرار کر لیتے ہیں۔ دیوتاؤں کو پوجنے والے خدائے واحد کو پکارنا شروع کرتے ہیں۔ اپنی قوت اور اپنی تدبیر پر بھروسہ کرنے والے ہر دوسری چیز کو چھوڑ کر صرف خدا کو یاد کرنے لگتے ہیں۔ یہ ایک تجرباتی ثبوت ہے کہ توحید ایک فطری عقیدہ ہے۔ توحید کے سوا دوسرے تمام عقیدے بالکل بے بنیاد ہیں۔

یہ تجربہ بتاتا ہے کہ خدا کو نہ ماننے کے لئے آدمی خواہ کتنا ہی فلسفہ پیش کرے، حقیقتاً اس قسم کی تمام باتیں بے فکری کی نظریہ سازی ہیں۔ انسان اگر جانے کہ دنیا کے مواقع محض وقتی طور پر اس کو امتحان کے لئے دیے گئے ہیں تو وہ فوراً سنجیدہ ہو جائے۔ اس کے ذہن سے تمام مصنوعی دیواریں گر جائیں اور ایک خدا کو ماننے کے سوا اس کے لئے کوئی چارہ نہ رہے۔

وہ وقت آنے والا ہے جب انسان خدا کے جلال کو دیکھ کر کانپ اٹھے اور تمام خدائی باتوں کا اقرار کرنے پر مجبور ہو جائے۔ مگر عقل مند وہ ہے جو موجودہ زندگی کے تجربات میں آنے والی زندگی کی حقیقتوں کو دیکھ لے اور آج ہی اس بات کو مان لے جس کو وہ کل ماننے پر مجبور ہوگا۔ مگر کل کا ماننا اس کے کچھ کام نہ آئے گا۔

إِنَّمَا مَثَلُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَاءٍ أَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَاءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْأَرْضِ
مِمَّا يَأْكُلُ النَّاسُ وَالْأَنْعَامُ ۭ حَتّٰىٓ إِذَآ أَخَذَتِ الْأَرْضُ زُخْرُفَهَا وَازَّيَّنَتْ وَظَنَّ
أَهْلُهَآ أَنَّهُمْ قٰدِرُوْنَ عَلَيْهَآ ۙ أَتٰىهَآ أَمْرُنَا لَيْلًا أَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنٰهَا حَصِيْدًا
كَأَنْ لَّمْ تَغْنَ بِالْأَمْسِ ۭ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝

دنیا کی زندگی کی مثال ایسی ہے جیسے پانی کہ ہم نے اس کو آسمان سے برسایا تو زمین کا سبزہ خوب نکلا جس کو آدمی کھاتے ہیں اور جس کو جانور کھاتے ہیں۔ یہاں تک کہ جب زمین پوری رونق پر آگئی اور سنور اٹھی اور زمین والوں نے گمان کرلیا کہ اب یہ ہمارے قابو میں ہے تو اچانک اس پر ہمارا حکم رات کو یا دن کو آگیا، پھر ہم نے اس کو کاٹ کر ڈھیر کر دیا گویا کل یہاں کچھ تھا ہی نہیں۔ اس طرح ہم نشانیاں کھول کر بیان کرتے ہیں ان لوگوں کے لئے جو غور کرتے ہیں ۲۴

دنیا کی زندگی امتحان کے لئے ہے۔ اس لئے انسان کو یہاں مکمل آزادی اور ہر قسم کے کھلے مواقع دئے گئے ہیں۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انسان آزاد ہے کہ جو چاہے کرے اور جس قسم کا مستقبل چاہے اپنے لئے بنائے۔ مگر انھیں حالات کے درمیان ایسے واقعات بھی رکھ دئے گئے ہیں جو سوچنے والوں کے لئے نصیحت کا کام کرتے ہیں۔ جو اس حقیقت کی نشان دہی کر رہے ہیں کہ یہ سب کچھ محض وقتی ہے اور بہت جلد اس سے چھن جانے والا ہے۔

انھیں میں سے ایک زمین کی سرسبزی کا واقعہ ہے۔ جب بارش ہوتی ہے تو زمین ہر قسم کی نباتات سے لہلہا اٹھتی ہے۔ آدمی ان کو دیکھ کر خوش ہوتا ہے۔ وہ سمجھنے لگتا ہے کہ معاملہ پوری طرح اس کے قابو میں ہے اور بہت جلد وہ تیار فصل کا مالک بننے والا ہے۔ عین اس وقت اچانک کوئی آفت آجاتی ہے۔ مثلاً بگولا آگیا، اولے پڑ گئے، ٹڈی دل پہنچ گیا اور ایک لمحہ میں ساری فصل کا خاتمہ کر دیا۔

یہی حال انسانی زندگی کا ہے۔ آدمی ایک عمدہ جسم لے کر پیدا ہوتا ہے۔ دنیا کے اسباب اس کا ساتھ دیتے ہیں اور وہ اپنے لئے ایک کامیاب اور شان دار زندگی بنا لیتا ہے۔ اب اس کے اندر ایک اعتماد پیدا ہو جاتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ اس کا معاملہ اس کے اپنے اختیار میں ہے۔ اس کے بعد کسی دن یا کسی رات میں اچانک اس کی موت آجاتی ہے۔ اپنے آپ کو با اختیار سمجھنے والا یکایک اپنے کو اس حال میں پاتا ہے کہ مجبوری اور بے اختیاری کے سوا اس کے پاس اور کوئی سرمایہ نہیں ——— آدمی اگر اس حقیقت کو سامنے رکھے تو وہ دنیا میں کبھی سرکش نہ بنے، وہ کبھی کسی کے ساتھ ظلم اور بے انصافی کا طریقہ اختیار نہ کرے۔

وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ ۭ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ لِلَّذِيْنَ
اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ ۭ وَلَا يَرْهَقُ وُجُوْهَھُمْ قَتَرٌ وَّلَا ذِلَّةٌ ۭ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ
الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ كَسَبُوا السَّيِّاٰتِ جَزَاۗءُ سَيِّئَةٍۢ بِمِثْلِهَا ۙ وَتَرْهَقُھُمْ
ذِلَّةٌ ۭ مَا لَھُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ۚ كَاَنَّمَآ اُغْشِيَتْ وُجُوْهُھُمْ قِطَعًا مِّنَ الَّيْلِ
مُظْلِمًا ۭ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝

اور اللہ سلامتی کے گھر کی طرف بلاتا ہے اور وہ جس کو چاہتا ہے سیدھا راستہ دکھا دیتا ہے۔ جن لوگوں نے بھلائی کی ان کے لئے بھلائی ہے اور اس پر مزید بھی۔ اور ان کے چہروں پر نہ سیاہی چھائے گی اور نہ ذلت۔ یہی جنت والے لوگ ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ اور جنھوں نے برائیاں کمائیں تو برائی کا بدلہ اس کے برابر ہے۔ اور ان پر رسوائی چھائی ہوئی ہوگی۔ کوئی ان کو اللہ سے بچانے والا نہ ہوگا۔ گویا کہ ان کے چہرے اندھیری رات کے ٹکڑوں سے ڈھانک دیے گئے ہیں۔ یہی لوگ دوزخ والے ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ۲۷ — ۲۵

دنیا کے ظاہری حالات سے آدمی دھوکا کھا جاتا ہے۔ وہ وقتی چیز کو مستقل چیز سمجھ لیتا ہے۔ اس کا خیال یہ ہو جاتا ہے کہ خوشیوں اور راحتوں کی زندگی جو وہ چاہتا ہے وہ اس کو اسی موجودہ دنیا میں حاصل ہو سکتی ہے۔ مگر انسانی آرزوؤں کی دنیا دراصل آخرت میں بننے والی ہے اور اس کو وہی شخص پائے گا جو خدا کے بتائے ہوئے طریقہ کے مطابق اس کو حاصل کرنے کی کوشش کرے۔

دنیا میں آدمی بالفرض سب کچھ حاصل کرلے تب بھی وہ اس پر قادر نہیں کہ اپنی زندگی کو دکھ اور غم سے پاک کر سکے۔ یہاں ہر خوشی کے ساتھ کوئی اندیشہ لگا ہوا ہے۔ یہاں کی ہر کامیابی بہت جلد کسی دکھ کی نذر ہو جاتی ہے۔ دکھ اور رنج سے خالی زندگی ایک ایسی انوکھی زندگی ہے جو صرف جنت کے ماحول میں آدمی کو حاصل ہوگی۔ جو لوگ اس راز کو پالیں وہی وہ لوگ ہیں جو جنت کا راستہ اختیار کریں گے اور بالآخر خدا کی ابدی جنتوں میں پہنچیں گے۔

راحت اور خوشی کی زندگی جو انسان کو بے حد مرغوب ہے وہ خدا کے وفادار بندوں کو کامل طور پر جنت میں ملے گی۔ مگر راحت اور خوشی کا ایک اور درجہ ہے جو معروف راحتوں اور خوشیوں سے بہت بلند ہے۔ یہ مالک کائنات کا دیدار ہے جو اہل جنت کو خصوصی طور پر حاصل ہوگا۔ جو خدا راحتوں اور لذتوں کا خالق ہے وہ یقینی طور پر تمام راحتوں اور لذتوں کا سب سے بڑا خزانہ ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ جب جنت والے جنت میں اور دوزخ والے دوزخ میں داخل ہو چکے ہوں گے تو ایک پکارنے والا پکارے گا۔ اے جنت والو، تمہارے لئے خدا کا ایک وعدہ باقی ہے جس کو اب وہ پورا کرنا چاہتا ہے۔ جنت والے یہ سن کر کہیں گے کہ وہ کیا ہے۔ کیا ہمارے پلڑے بھاری

نہیں کر دیے گئے۔ کیا ہمارے چہروں کو روشن نہیں کر دیا گیا۔ کیا خدا نے ہمیں جنت میں نہیں داخل کر دیا اور ہم کو آگ سے نہیں بچالیا۔ اس کے بعد ان کے اوپر سے حجاب اٹھالیا جائے گا اور وہ اپنے رب کو دیکھنے لگیں گے۔ پس خدا کی قسم کوئی نعمت جو خدا نے انھیں دی ہے وہ ان کے لئے خدا کو دیکھنے سے زیادہ محبوب نہ ہوگی اور نہ اس سے زیادہ ان کی آنکھوں کو ٹھنڈی کرنے والی ہوگی (تفسیر ابن کثیر)

آدمی کے لئے اس سے زیادہ سخت حالت اور کوئی نہیں کہ وہ ایک ایسی بے بسی سے دوچار ہو جو ابدی ہے۔ وہ اپنے آپ کو ایک ایسی ناکامی میں پڑا ہوا پائے جو دوبارہ کامیابی میں تبدیل نہیں ہو سکتی۔ جو لوگ آخرت میں جہنم کے باشندے قرار دیے جائیں گے وہ اسی حالت سے دوچار ہوں گے۔ ان کے چہرے شدید مایوسی کی وجہ سے ایسے کالے ہو جائیں گے گویا کہ وہ تہ بہ تہ اندھیروں میں ڈوب گئے ہیں۔ آدمی کو اگرچہ اس کی برائی کا بدلہ اتنا ہی دیا جائے گا جتنا اس نے برائی کی ہے۔ مگر ابدی محرومی کا احساس اس کے لئے اتنا سخت ہوگا کہ اس کا چہرہ تک اس کی وجہ سے سیاہ پڑ جائے گا۔

وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ نَقُولُ لِلَّذِينَ أَشْرَكُوا مَكَانَكُمْ أَنْتُمْ وَشُرَكَاؤُكُمْ ۚ فَزَيَّلْنَا
بَيْنَهُمْ ۖ وَقَالَ شُرَكَاؤُهُمْ مَا كُنْتُمْ إِيَّانَا تَعْبُدُونَ ﴿٢٨﴾ فَكَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا بَيْنَنَا
وَبَيْنَكُمْ إِنْ كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ لَغَافِلِينَ ﴿٢٩﴾ هُنَالِكَ تَبْلُو كُلُّ نَفْسٍ مَا أَسْلَفَتْ
وَرُدُّوا إِلَى اللَّهِ مَوْلَاهُمُ الْحَقِّ ۖ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿٣٠﴾ الربع ۸

اور جس دن ہم ان سب کو جمع کریں گے، پھر ہم شرک کرنے والوں سے کہیں گے کہ ٹھیرو تم بھی اور تمھارے بنائے ہوئے شریک بھی۔ پھر ہم ان کے درمیان تفریق کر دیں گے اور ان کے شریک کہیں گے کہ تم ہماری عبادت تو نہیں کرتے تھے۔ اللہ ہمارے درمیان گواہی کے لئے کافی ہے۔ ہم تمھاری عبادت سے بالکل بے خبر تھے۔ اس وقت ہر شخص اپنے اس عمل سے دوچار ہوگا جو اس نے کیا تھا اور لوگ اللہ اپنے مالک حقیقی کی طرف لوٹائے جائیں گے اور جو جھوٹ انھوں نے گھڑے تھے وہ سب ان سے جاتے رہیں گے ۲۸ — ۳۰

شرک کا پورا کاروبار جھوٹی امیدوں پر قائم ہوتا ہے، وہ واقعات جو خدا کے کئے سے ہو رہے ہیں ان کو آدمی جھوٹے معبودوں کی طرف منسوب کر دیتا ہے اور اس طرح خود ساختہ تصور کے تحت ان کو اپنی عقیدت و پرستش کا مرکز بنا لیتا ہے، اپنے ان معبودوں پر اس کا اعتماد اتنا بڑھتا ہے کہ وہ سمجھ لیتا ہے کہ آخرت میں بھی وہ ضرور خدا کے مقابلہ میں اس کے مددگار بن جائیں گے۔ اور اس کو خدا کی پکڑ سے بچالیں گے۔

یہ سراسر جھوٹی امیدیں ہیں۔ مگر دنیا کی زندگی میں ان کا جھوٹ ہونا ظاہر نہیں ہوتا کیونکہ یہاں امتحان کی

وجہ سے ہر چیز پر غیب کا پردہ پڑا ہوا ہے۔ یہاں آدمی کو موقع ہے کہ وہ واقعات کو اپنے فرضی معبودوں کی طرف منسوب کرے اور اس طرح ان کی معبودیت پر مطمئن ہو جائے۔ مگر آخرت میں ساری حقیقتیں کھل جائیں گی۔ وہاں معلوم ہوگا کہ اس کائنات میں ایک خدا کے سوا کسی کو کوئی زور حاصل نہ تھا۔

موجودہ دنیا میں آدمی اس خوش فہمی میں جی رہا ہے کہ وہ اپنے بڑوں یا اپنے معبودوں کی مدد سے آخرت کے مرحلے میں کامیاب ہو جائے گا۔ مگر آخرت میں اچانک اس پر کھلے گا کہ اس کا اعتماد سراسر جھوٹا تھا۔ یہاں کسی کو صرف وہی ملے گا جو اس نے خود کیا تھا۔ فرضی سہارے وہاں اس طرح غائب ہو جائیں گے جیسے کہ ان کا کوئی وجود ہی نہ تھا۔

قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَمَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ ۚ فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ ۚ فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۔ فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ ۚ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ ۚ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ۔ كَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ فَسَقُوْٓا اَنَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ

کہو کہ کون تم کو آسمان اور زمین سے روزی دیتا ہے۔ یا کون ہے جو کان پر اور آنکھوں پر اختیار رکھتا ہے۔ اور کون بے جان میں سے جاندار کو اور جاندار میں سے بے جان کو نکالتا ہے۔ اور کون معاملات کا انتظام کر رہا ہے۔ وہ کہیں گے کہ اللہ۔ کہو کہ پھر کیا تم ڈرتے نہیں۔ پس وہی اللہ تمہارا پروردگار حقیقی ہے۔ تو حق کے بعد بھٹکنے کے سوا اور کیا ہے، تم کدھر پھیرے جاتے ہو۔ اسی طرح تیرے رب کی بات سرکشی کرنے والوں کے حق میں پوری ہو چکی ہے کہ وہ ایمان نہ لائیں گے ۳۱ — ۳۳

انسان کو رزق کی ضرورت ہے۔ یہ رزق انسان کو کیسے ملتا ہے۔ کائنات کے مجموعی عمل سے۔ ساری کائنات حد درجہ ہم آہنگی کے ساتھ ایک خاص رخ پر عمل کرتی ہے۔ تب یہ ممکن ہوتا ہے کہ انسان کے لئے وہ رزق فراہم ہو جس کے بغیر اس کا وجود اس سرزمین پر ممکن نہیں۔ خدائی کے مفروضہ شرکاء یا دیوی دیوتا خود مشرکین کے عقیدہ کے مطابق، انسان کے لئے رزق فراہم نہیں کر سکتے۔ کیونکہ ہر مفروضہ شریک کسی جزء کا معبود ہے، اور جزء کا معبود کبھی ایسے واقعہ کو ظہور میں نہیں لا سکتا جو کل اجزاء کی موافقت سے ظہور میں آتا ہو۔

اسی طرح مثلاً انسان کے اندر کان اور آنکھ جیسی حیرت انگیز صلاحیتیں ہیں۔ وہ بھی کسی دیوتا کی دی ہوئی

نہیں ہوسکتیں۔ دیوی دیوتا یا تو خود ان صلاحیتوں سے محروم ہیں یا اگر کسی مفروضہ معبود کے اندر یہ صلاحیتیں ہوں تو وہ ان کا خالق نہیں۔ حتیٰ کہ خود اس سے یہ صلاحیتیں ویسے ہی چھن جاتی ہیں جیسے عام انسانوں سے چھن جاتی ہیں۔ اسی طرح بے جان چیزوں میں جان ڈالنا اور جان دار کو بے جان کر دینا بھی مفروضہ معبودوں کے لئے ممکن نہیں۔ نہ اس کا کوئی ثبوت ہے اور نہ کوئی پوچھنے والا ان کے بارے میں اس قسم کا عقیدہ رکھتا ہے۔ پھر کیسے ممکن ہے کہ یہ چیزیں ان معبودوں سے انسان کو ملیں۔

کیسی عجیب بات ہے کہ انسان ایک بڑے خدا کو مانتا ہے۔ اس کے باوجود وہ خدا کی طرف ایسی باتیں منسوب کرتا ہے جو اس کی تمام اعلیٰ صفات کی نفی کر دیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کو خدا کا ڈر نہیں۔ جھوٹے خیالات کے ذریعہ اس نے اپنے آپ کو یہ تسلی دے لی ہے کہ خدا اس سے بازپرس کرنے والا نہیں۔ اور اگر بازپرس کی نوبت آئی تو اس کی مدد پر ایسی ہستیاں ہیں جو خدا کے یہاں سفارش کرکے اس کو بچالیں ——

ڈر آدمی کو سنجیدہ بناتا ہے۔ جب کسی کے دل سے ڈر نکل جائے تو اس کو غیر منصفانہ رویہ اختیار کرنے سے کوئی چیز روک نہیں سکتی۔ ایسا آدمی سرکش ہو جاتا ہے۔ اور سرکش آدمی کبھی سچائی کا اعتراف نہیں کرتا۔

قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ۚ قُلِ اللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿۳۴﴾ قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّهْدِيْۤ اِلَى الْحَقِّ ۚ قُلِ اللّٰهُ يَهْدِيْ لِلْحَقِّ ۗ اَفَمَنْ يَّهْدِيْۤ اِلَى الْحَقِّ اَحَقُّ اَنْ يُّتَّبَعَ اَمَّنْ لَّا يَهِدِّيْۤ اِلَّاۤ اَنْ يُّهْدٰى ۚ فَمَا لَكُمْ ۟ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَمَا يَتَّبِعُ اَكْثَرُهُمْ اِلَّا ظَنًّا ۚ اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْـًٔا ۚ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ﴿۳۶﴾

کہو، کیا تمھارے ٹھیرائے ہوئے شریکوں میں کوئی ہے جو پہلی بار پیدا کرتا ہو پھر وہ دوبارہ بھی پیدا کرے۔ کہو، اللہ ہی پہلی بار بھی پیدا کرتا ہے پھر وہی دوبارہ بھی پیدا کرے گا۔ پھر تم کہاں بھٹکے جاتے ہو۔ کہو، کیا تمھارے شرکا میں کوئی ہے جو حق کی طرف رہنمائی کرتا ہو، کہہ دو کہ اللہ ہی حق کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ پھر جو حق کی طرف رہنمائی کرتا ہے وہ پیروی کیے جانے کا مستحق ہے یا وہ جس کو خود ہی راستہ نہ ملتا ہو بلکہ اسے راستہ بتایا جائے۔ تم کو کیا ہوگیا ہے، تم کیسا فیصلہ کرتے ہو۔ ان میں سے اکثر صرف گمان کی پیروی کر رہے ہیں۔ اور گمان حق بات میں کچھ بھی کام نہیں دیتا۔ اللہ کو خوب معلوم ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں ۳۴-۳۶

اللہ کے سوا جن کو خدائی کا مقام دیا جاتا ہے، خواہ وہ انسان ہوں یا غیر انسان، کوئی بھی یہ طاقت نہیں رکھتا کہ وہ کسی غیر موجود کو موجود کر دے۔ یہ صرف اللہ ہے جس کے لئے تخلیق کا عمل ثابت ہے۔ اور جب

تخلیق کا عمل ایک بار اللہ کے لئے ثابت ہے تو اسی سے یہ بھی ثابت ہو جاتا ہے کہ وہ اس کا اعادہ کر سکتا ہے اور کرے گا۔ پھر جب وجود اول اور وجود ثانی دونوں کا اختیار صرف ایک اللہ کو ہے تو دوسرے شریکوں کی طرف توجہ لگانا بالکل عبث ہے۔ ان سے آدمی نہ اپنی پہلی زندگی میں کچھ پانے والا ہے اور نہ دوسری زندگی میں۔

یہی معاملہ رہنمائی کا ہے۔ "اللہ رہنمائی کرتا ہے" یہ چیز پیغمبروں کی ہدایت سے ثابت ہے۔ پیغمبروں نے جس ہدایت کو خدائی ہدایت کہہ کر انسان کے سامنے پیش کیا وہ مسلم طور پر ایک ہدایت ہے۔ اس کے برعکس شریکوں کا حال یہ ہے کہ وہ یا تو سرے سے اس قابل نہیں کہ وہ انسان کو حق اور ناحق کے بارے میں کوئی علم دیں (مثلاً بت) یا وہ اپنی کمیوں اور محدودیتوں کی وجہ سے خود رہنمائی کے محتاج ہیں، کجا کہ وہ دوسروں کو کوئی واقعی رہنمائی فراہم کریں (مثلاً انسانی معبود) جب صورت حال یہ ہے تو انسان کو صرف ایک خدا کی طرف رجوع کرنا چاہئے نہ کہ فرضی شریکوں کی طرف۔

شرک کا کاروبار کسی واقعی علم پر قائم نہیں ہے بلکہ وہ مفروضات اور قیاسات پر قائم ہے۔ کچھ ہستیوں کے بارے میں بے بنیاد طور پر یہ رائے قائم کر لی گئی ہے کہ وہ خدائی صفات کے حامل ہیں۔ حالاں کہ اتنی بڑی رائے کسی حقیقی علم کی بنیاد پر قائم کی جا سکتی ہے نہ کہ محض اٹکل اور قیاس کی بنیاد پر۔

وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ
الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٣٧﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ
افْتَرٰىهُ ۭ قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ
كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٣٨﴾ بَلْ كَذَّبُوْا بِمَا لَمْ يُحِيْطُوْا بِعِلْمِهٖ وَلَمَّا يَاْتِهِمْ تَاْوِيْلُهٗ ۭ
كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٣٩﴾

اور یہ قرآن ایسا نہیں کہ اللہ کے سوا کوئی اس کو بنا لے۔ بلکہ یہ تصدیق ہے ان پیشین گوئیوں کی جو اس کے پہلے سے موجود ہیں۔ اور کتاب کی تفصیل ہے، اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ خداوند عالم کی طرف سے ہے۔ کیا لوگ کہتے ہیں کہ اس شخص نے اس کو گھڑ لیا ہے۔ کہو کہ تم اس کی مانند کوئی سورۃ لے آؤ۔ اور اللہ کے سوا تم جس کو بلا سکو بلا لو، اگر تم سچے ہو۔ بلکہ یہ لوگ اس چیز کو جھٹلا رہے ہیں جو ان کے علم کے احاطے میں نہیں آئی۔ اور جس کی حقیقت ابھی ان پر نہیں کھلی۔ اسی طرح ان لوگوں نے بھی جھٹلایا جو ان سے پہلے گزرے ہیں، پس دیکھو کہ ظالموں کا انجام کیا ہوا ۳۹ ـ ۳

قرآن اپنی دلیل آپ ہے۔ قرآن کا مافوق انداز کلام انتہائی طور پر ناقابل تقلید ہے۔ اور یہی واقعہ

یہ ثابت کرنے کے لئے کافی ہے کہ قرآن ایک غیر انسانی کلام ہے۔ اگر وہ کسی انسان کا کلام ہوتا تو یقیناً دوسرے انسانوں کے لئے بھی یہ ممکن ہونا چاہئے تھا کہ وہ اپنی کوشش سے ویسا ہی ایک کلام بنا لیں۔

قرآن کے کلام الٰہی ہونے کا دوسرا ثبوت یہ ہے کہ وہ ان پیشین گوئیوں کی تصدیق ہے جو اس کے بارے میں پہلے سے آسمانی صحیفوں میں موجود ہیں۔ آسمانی تعلیمات کی حامل قومیں پہلے سے ایک آخری ہدایت نامہ کی منتظر تھیں، قرآن اسی انتظار کا جواب بن کر آیا ہے، پھر اس میں شک کرنے کی کیا ضرورت۔ مزید یہ کہ وہ "کتاب" کی تفصیل ہے۔ یعنی وہ الٰہی تعلیمات جو تمام آسمانی کتابوں کا خلاصہ ہیں انھیں کو وہ صحیح اور بے آمیز روپ میں پیش کرتا ہے۔ یہ ایک واضح قرینہ ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن اسی خدا کی طرف سے آیا ہے جس کی طرف سے پچھلی آسمانی کتابیں آئی تھیں۔

جب کوئی شخص کہتا ہے کہ قرآن ایک انسانی تصنیف ہے تو وہ اپنے دعوے کو ایک ایسے میدان میں لاتا ہے جہاں اس کو جانچنا آسان ہو۔ کیونکہ وہ اپنی یا دوسروں کی انسانی صلاحیتوں کو کام میں لاکر قرآن جیسی ایک کتاب یا اس کے جیسی ایک سورہ تیار کر سکتا ہے۔ اور اس طرح عملی طور پر اس دعوے کو رد کر سکتا ہے کہ قرآن خدائی ذہن سے نکلی ہوئی کتاب ہے۔ مگر قرآنی چیلنج کے باوجود کسی کا ایسا نہ کر سکنا آخری طور پر ثابت کر رہا ہے کہ قرآن کو انسانی کتاب کہنے والوں کا دعویٰ درست نہیں۔

قرآن کی صداقت کے یہ دلائل ایسے نہیں ہیں کہ آدمی ان کو سمجھ نہ سکے۔ اصل یہ ہے کہ قرآن کو جھٹلانے کے نتائج سے وہ بے خوف ہیں۔ ان کو یہ ڈر نہیں کہ قرآن کا انکار کر کے وہ کسی عذاب کی پکڑ میں آجائیں گے۔ ان کی مخالفانہ روش کی وجہ وہ غیر سنجیدگی ہے جو ان کی بے خوفی کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے نہ کہ کسی قسم کا عقلی اور استدلالی اطمینان۔

ع وَمِنْهُمْ مَّنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهٖ ۭ وَرَبُّكَ اَعْلَمُ بِالْمُفْسِدِيْنَ ﴿۴۰﴾
وَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ لِّيْ عَمَلِيْ وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ ۚ اَنْتُمْ بَرِيْۗـــُٔوْنَ مِمَّآ اَعْمَلُ وَاَنَا بَرِيْۗءٌ
مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۴۱﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ ۭ اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ وَلَوْ كَانُوْا
لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۴۲﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْظُرُ اِلَيْكَ ۭ اَفَاَنْتَ تَهْدِي الْعُمْيَ وَلَوْ كَانُوْا لَا
يُبْصِرُوْنَ ﴿۴۳﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْـــًٔا وَّلٰكِنَّ النَّاسَ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۴۴﴾

اور ان میں سے وہ بھی ہیں جو قرآن پر ایمان لے آئیں گے اور وہ بھی ہیں جو اس پر ایمان نہیں لائیں گے۔ اور تیرا رب مفسدوں کو خوب جانتا ہے۔ اور اگر وہ تم کو جھٹلاتے ہیں تو کہہ دو کہ میرا عمل میرے لئے ہے اور تمہارا عمل تمہارے لئے۔ تم اس سے بری ہو جو میں کرتا ہوں اور میں اس سے بری ہوں جو تم کر رہے ہو۔

اور ان میں بعض ایسے بھی ہیں جو تمھاری طرف کان لگاتے ہیں تو کیا تم بہروں کو سناؤ گے جب کہ وہ سمجھ سے کام نہ لے رہے ہوں۔ اور ان میں سے کچھ ایسے ہیں جو تمھاری طرف دیکھتے ہیں تو کیا تم اندھوں کو راستہ دکھاؤ گے اگرچہ وہ دیکھ نہ رہے ہوں۔ اللہ لوگوں پر کچھ بھی ظلم نہیں کرتا مگر لوگ خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں ۴۲-۴۴

ایمان نہ لانے والے خدا کی نظر میں مفسد ہیں۔ کیونکہ اپنی فطرت کو بگاڑ کر ہی کسی کے لئے یہ ممکن ہوتا ہے کہ وہ حق کو قبول کرنے سے باز رہے۔ ایسا آدمی اپنے ضمیر کی آواز کو دبا تا ہے، وہ اپنے سوچنے کی صلاحیت کو استعمال نہیں کرتا، وہ کھلے کھلے دلائل کو جھوٹے الفاظ بول کر نظر انداز کر دیتا ہے، وہ سن کر نہیں سنتا اور سمجھنے کے باوجود سمجھنے کی کوشش نہیں کرتا، وہ حق کے مقابلہ میں اپنے تعصبات اور اپنے مفادات کو ترجیح دیتا ہے۔

بحث و مناظرہ کرنے والے لوگ آخر وقت تک اپنی بحث جاری رکھتے ہیں۔ "میرا معاملہ میرے ساتھ ہے اور تمھارا معاملہ تمھارے ساتھ"، اس قسم کا جملہ کہنا ان کو اپنی شکست نظر آتا ہے، مگر داعی فتح و شکست کی نفسیات سے بلند ہو کر کام کرتا ہے، اس لئے جب وہ دیکھتا ہے کہ مخاطب ضد اور ہٹ دھرمی پر اتر آیا ہے اور مزید بات کرنے کا کوئی فائدہ نہیں تو وہ یہ کہہ کر الگ ہو جاتا ہے کہ اصل فیصلہ اللہ کے یہاں ہونا ہے۔ خدا کی میزان میں جو شخص جیسا نکلے گا ویسا ہی اس کا انجام ہوگا۔

حق کو نہ ماننے والوں میں ایک طبقہ وہ ہے جو شروع سے اپنا منکر ہونا ظاہر کر دیتا ہے۔ مگر زیادہ ہوشیار قسم کے لوگ یہ کرتے ہیں کہ بظاہر وہ باتوں کو اس طرح سنتے ہیں گویا کہ وہ سچ مچ سمجھنا چاہتے ہیں۔ حالانکہ ان کے دل میں یہ ہوتا ہے کہ اس کو سمجھنا نہیں ہے۔ وہ داعی کی صداقت کی نشانیوں کو اس طرح دیکھتے ہیں جیسے وہ کھلے دل سے اس کا مشاہدہ کرنا چاہتے ہیں۔ حالانکہ ان کا ذہن پہلے سے یہ طے کئے ہوئے ہوتا ہے کہ اس کو دیکھنا اور ماننا نہیں ہے۔ ایسے لوگوں کی ظاہری سادگی سے داعی اس خوش گمانی میں پڑ جاتا ہے کہ وہ قبولیت حق کے قریب ہیں۔ مگر خدا کی نظر میں وہ ایسے لوگ ہیں جو کان رکھتے ہوئے بہرے اور آنکھ رکھتے ہوئے اندھے بن جائیں۔ ایسے لوگوں کو کبھی خدا کی طرف سے قبول حق کی توفیق نہیں ملتی۔

خدا نے انسان کو بہترین صلاحیتیں دی ہیں۔ اگر وہ ان صلاحیتوں کو استعمال کرے تو وہ کبھی گمراہ نہ ہو۔ مگر انسان اپنے کو آزاد پا کر غلط فہمی میں پڑ جاتا ہے۔ وہ بے جا سرکشی کرنے لگتا ہے۔ ایسا اس لئے ہوتا ہے کہ اس نے خدا کی اسکیم کو نہیں سمجھا، جو چیز اس کو آزمائش کے طور پر دی گئی تھی اس کو اس نے اپنا حق سمجھ لیا۔

سوالیہ خط

باسمہ سبحانہ

برادر مکرم، السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

ادھر کچھ عرصہ سے میں جماعت اسلامی کی مخالفت میں لکھی جانے والی کتابوں کا مطالعہ کر رہا ہوں اور اب تک اس سلسلہ کی تقریباً تمام ہی کتابیں مطالعہ میں آچکی ہیں مثلاً مولانا زکریا صاحب کی "فتنۂ مودودیت" مولانا منظور نعمانی صاحب کی "سرگذشت" مولانا علی میاں کی "دین کی تفہیم و تشریح" وغیرہ۔ لیکن ان کتابوں میں مجھے کوئی خاص بات قابلِ ذکر نظر نہیں آئی، البتہ جناب وحید الدین خانصاحب کی "تعبیر کی غلطی" میں خاص طور سے دو چیزیں قابلِ توجہ نظر آئیں: (۱) جماعت اسلامی کے نزدیک نظامِ حق کے غلبے کے لئے کوشش اور جد و جہد امتِ مسلمہ کا نصب العین قرار پاتا ہے حالانکہ قرآن مجید میں کوئی نص قطعی ایسی نہیں جس سے اس کا وجوب ثابت ہوتا ہو۔ (۲) اس مقصد کی روشنی میں بیشتر انبیاء کی ناکامی ثابت ہوتی ہے کیونکہ ان میں سے بیشتر دین کی بنیادی دعوت توحید آخرت کی طرف بلاتے ہوئے دنیا سے رخصت ہو گئے اور نظامِ حق قائم نہیں کر سکے۔

اصل میں ان کتابوں کے مطالعہ کی ضرورت خاص طور سے اس لئے پیش آئی کہ جماعت اسلامی سے اتفاق و ہمدردی کا اظہار کرتے ہوئے ایک زمانہ گذر گیا۔ اب کچھ عرصہ سے بار بار یہ خیال آرہا ہے کہ کیوں نہ آگے بڑھ کر رکنیت کا فارم پر کر دیا جائے لیکن پھر سوچا کہ کیوں نہ اس اقدام سے پہلے آپ سے بھی مشورہ کر لیا جائے۔ اس سلسلہ میں آپ کی کیا رائے ہے؟ یہ خط تحریر کرنے کا مقصد یہی ہے کہ آپ کی رہنمائی حاصل کروں۔ امید ہے تشفی بخش جواب عنایت فرمائیں گے۔

والسلام۔

شفیق احمد اصلاحی

شیش محل۔ آزاد مارکیٹ۔ دہلی

جوابی خط

۲۳؍صفر ۱۴۰۲ہجری
۱۹؍دسمبر ۱۹۸۱ء

محمد امانت اللہ اصلاحی
مسلم کالج ایجیبو اوڈے
اوگن اسٹیٹ (نائیجیریا)

باسمہ و بحمدہٖ

برادر مکرم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

آپ کا خط ملا۔ جواب فوراً دینا چاہتا تھا لیکن نہ دے سکا۔ پھر لفافہ لے کر گھر سے نکلا کہ راستہ میں کہیں لکھوں گا لیکن سفر نہ کر سکا اور واپس آکر آپ کو یہ چند سطریں لکھ رہا ہوں۔

قیادت کی تبدیلی کی اطلاع مل چکی تھی۔ یہ بات مزید خوش آئند ہے کہ جو وفد مولانا کو آمادہ کرنے گیا اس میں خود موجودہ امیر بھی شامل تھے۔ اللہ تعالیٰ اس فیصلہ کو باعثِ خیر و برکت بنائے۔

میں تو یہ سمجھ رہا تھا کہ آپ نے رکنیت کا فارم بھر رکھا ہے اور اب رکن بن بھی چکے ہوں گے۔ اچھا ہے، خوب سوچ سمجھ کر یہ اقدام کیا جائے، لیکن یہ خوب رہا کہ بڑے بڑے روحانی بزرگوں کے یہاں تو آپ کو کچھ نہ ملا، کھٹک پیدا ہوئی تو "تعبیر کی غلطی" سے! کیا مثل ہے "آسمان سے گرا کھجور میں اٹکا"! اگر شاعروں اور مجذوبوں ہی سے ین کو سمجھنا ہے تو اقبال کو پڑھئے، شاید کچھ خون میں گرمی آئے اور حوصلہ میں بلندی ور فکر و نظر میں وسعت! یا کسی محاذ پر جا کر چند روز طبی امداد رضا کارانہ طور پر کر ئیے، شاید دل کی کدورت کچھ دور ہو! اچھا ہے معلومات کے لئے اس طرح کی یزیں گاہے گاہے دیکھ لیا کریں لیکن اگر شرح صدر چاہتے ہیں، اطمینان قلب چاہتے ں اور بصیرت — تو اللہ سے لو لگائیے اور اس کی کتاب سے تعلق استوار کیجئے،

اپنی سرگرمیاں منضبط کیجئے۔ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ کو جو نصیحت کی تھی، شاید یاد ہو:
اِنّ للہ عملاً باللیل لا یقبلہ بالنہار و عملا بالنہار لا یقبلہ باللیل۔
نہیں آپ کی مذکورہ دونوں الجھنیں تو حقیقت یہ ہے کہ اس سے بڑھ کر حیرت ناک بات کیا ہوگی کہ ایک طرف اسلام دشمن مفکرین کا اس پر اجماع ہے کہ جب تک یہ کتاب مسلمانوں کے پاس موجود ہے اس وقت تک ان کو زیر نہیں کیا جا سکتا اور کبھی زیر نگیں ہو بھی گئے شامتِ اعمال کی وجہ سے تو کچھ نہیں کیا جا سکتا کہ یہ دیو کب جگ جائے اور تمام بیڑیاں چشم زدن میں توڑ کر پھینک دے۔ آج ہلکی سی بیداری نظر آرہی ہے تو ساری دنیا لرزاں و ترساں ہے دوسری طرف وہ لوگ ہیں جن کا دن رات کا مشغلہ ہی ہے قال اللہ و قال الرسول، اسی کی روٹی کھاتے ہیں اور اسی کے بل پر امت پر راج کرتے ہیں۔ ان کو کہیں ایک بھی واضح اور محکم آیت نہیں ملتی جس سے غلبہ و اقتدار کے لئے کوشش کا وجوب تو در کنار جواز ثابت ہو سکے الی اللہ المشتکیٰ۔
میری آنکھیں نم ہیں اور قلم زبردستی چلا رہا ہوں ضربت علیہم الذلۃ والمسکنۃ کی اس سے زیادہ واضح مثال کیا ہوگی۔ حقیقت یہ ہے کہ غلامانہ ذہنیت رکھنے والے مسلمان سے ایک آزاد غیر مسلم کی نگاہ زیادہ دوررس اور حقیقت شناس ہوتی ہے جسؑ کی آمد سے دو ہزار سال پہلے بلکہ اس سے بھی بہت پہلے اسؑ کے غلبہ و اقتدار کی خبر گرم تھی اور بار بار دوہرائی جاتی رہی اور تحریفات کے بعد آج بھی موجود ہے، جسؑ کی آمد کے قریب شدّت سے انتظار ہی اس بات کا تھا کہ اسؑ کی آمد پر سخت کشت و خون ہوگا، اللہ تعالیٰ اپنے دشمنوں سے انتقام لے گا، مشرق سے مغرب تک اس کا اقتدار چھا جائیگا، قوموں کی قومیں اس کے آگے سرنگوں ہوں گی، جسؑ کی خبر ملنے سے پہلے ہی

ہرقل نے کہا تھا ظہر ملک هذه الأمة (اس دور کا بادشاہ آگیا) جسؐ کا سفیر پہنچا تو اس نے کہا کہ اگر یہ باتیں صحیح ہیں تو اس سرزمین پر اس کا اقتدار ہوگا جو اس وقت میرے قدموں کے نیچے ہے، جسؐ نے دس سال کی مختصر مدت میں نو عظیم الشان جنگی مہموں کی قیادت کی، اسّی سے زیادہ جنگی مہموں پر اپنے ساتھیوں کو روانہ کیا، وفات سے چند روز پہلے بیرونِ ملک کے لئے لشکر تیار کیا اور اپنے دست مبارک سے جھنڈا باندھا اور جاتے جاتے اس کو روانہ کرنے کی وصیت کر گیا، جاتے جاتے نماز اور غلاموں کے بارے میں وصیت کی یعنی سچے غلام اور اچھے آقا بن کر رہنا۔ پھر اسؐ کے بعد اسؐ کے ساتھیوں نے اس مہم کو پورے زور و شور سے جاری رکھا، آج اسؐ کے امتیوں کے لئے ان سرگرمیوں کے لئے وجہ جواز ماننا مشکل ہو رہا ہے۔ اگر آپ کو فرصت ہو تو انڈکس تیار کیجئے اور نہ ہو تو بنے بنائے انڈکسوں پر نظر ڈالئے۔ قرآن کے بھی اور حدیث کے بھی۔ کیا جہاد و قتال سے بھی وسیع اور مفصّل کوئی باب نظر آتا ہے؟ کیا اس سے افضل کوئی عمل ملتا ہے؟ پھر کیا خون ریزی اور خوں آشامی بذاتِ خود مقصود تھی یا اس کا کوئی مقصد تھا؟ امر بالمعروف، نہی عن المنکر، کمزوروں کی حمایت عدل و انصاف کے قیام کی تعلیمات کیا غلاموں کے لئے تھیں؟ استخلاف فی الارض، تمکین فی الارض کے دعوے محض چلّوں اور وِردوں کے ذریعہ پورے ہوئے یا ہونے والے تھے؟ فقد آتینا آل ابراهيم الكتاب والحكم والنبوة وآتينهم ملكا عظيما کا وعدہ کیا بغیر اس کا حق ادا کئے پورا ہوا اور کیا بغیر حق ادا کئے باقی رہ سکتا ہے؟ کیا یہود کے لئے غلامی اللہ تعالےٰ کے غضب اور پھٹکار کی علامت تھی اور

اس امت کے لئے مغل خاص کی علامت جس سے نکلنے کی کوشش کرنا بھی گناہ ہو!

افسوس! آج وہ قوم بھی جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے قیامت تک غلامی لکھ دی ہے: (وإذ تأذن ربك ليبعثن عليهم إلى يوم القيامة من يسومهم سوء العذاب) وہ اقتدار کے لئے کوشاں ہے اور مسلمانوں کی گردن پر مسلط ہے اور مسلمانوں کو کوئی نص صریح ہی نہیں مل رہی ہے کہ حرکت میں آئے۔ آج جن کے پاس کوئی آسمانی ہدایت نہیں وہ اس کی اہمیت کے بارے میں دو رائیں نہیں رکھتے لیکن مسلمان ایسی روشن کتاب رکھتے ہوئے، ایسا شاندار ماضی رکھتے ہوئے اس کی ضرورت سمجھنے سے قاصر ہیں۔ اگر کتاب نہیں پڑھتے تو کم از کم چشم دید واقعات اور تاریخی حقائق سے سبق حاصل کرتے، لیکن جب کوئی قوم اللہ کی کتاب پہ ظلم کرتی ہے تو اس کی عقل پر پردہ پڑجاتا ہے اور بینائی سلب ہوجاتی ہے۔ اس امت کی تاریخ اٹھاکر دیکھئے ـــ جتنے بھی قابلِ ذکر اتار چڑھاؤ آتے ہیں سب کا رشتہ انقلابات سے بندھا ہوا ہے۔ دورِ حاضر میں درجنوں ملک روس اور چین ہڑپ کرگئے۔ وہاں اسلام کا کیا حال ہے جہاں دوسرے بھی یہ طاقتیں اثر انداز ہورہی ہیں۔ واللہ بصیر بما یعملون ٥

اب اگر جماعت اسلامی والے اس کا نعرہ بے تکے اور بھونڈے انداز سے بلند کررہے ہوں یا بے موقع بلند کررہے ہوں یا محض کھوکھلا نعرہ ہو تو ان کو سمجھانا چاہئے، اصلاح کی کوشش کرنی چاہئے، نہ کہ اس روشن حقیقت کا انکار کرنا چاہئے۔

اپنے یہاں ان حقائق کی موجودگی میں دوسرے انبیاء کے یہاں ہدایت تلاش کرنا ہی غلط ہے۔ اور جن کو اپنے یہاں اندھیرا نظر آ رہا ہے ان کو وہاں بھی اندھیرا ہی نظر آئے گا ورنہ قرآن اور تاریخ کی شہادت اس کے بالکل برعکس ہے۔

محمد امانت اللہ

تبصرہ الرسالہ

اوپر جو "دو خط" نقل کئے گئے ہیں وہ ایک اسلامی جماعت سے وابستہ دو افراد کی باہمی خط وکتابت ہے جو پمفلٹ کی صورت میں دہلی سے شائع کی گئی ہے۔ "تعبیر کی غلطی" کے حوالے سے پہلے خط میں دو متعین سوال کئے گئے تھے۔ مگر دوسرے خط میں طویل کلام کے باوجود پڑھنے والے کو استہزاء اور گریز کے سوا اور کچھ نہیں ملتا۔ سوال کے مطابق مجیب کو مذکورہ مفہوم کے لئے قرآن کی متعین آیت پیش کرنا چاہئے تھا۔ مگر جوابی خط کا حال یہ ہے کہ اس کے آغاز میں تعبیر کی غلطی کے مصنف کا مذاق اڑایا گیا ہے۔ اور پھر اس کے بعد کے صفحات میں اصل سوال سے گریز کرتے ہوئے ادھر ادھر کی باتیں جوش وخروش کے ساتھ درج ہیں۔ فاضل مجیب نے اپنے مخالفین پر حیرت ظاہر کی ہے کہ ان کو قرآن میں مذکورہ انقلابی مفہوم کے حق میں ایک بھی واضح اور محکم آیت نہیں ملی۔ مگر خود بھی وہ ایسی کسی واضح اور محکم آیت کی نشان دہی نہ فرما سکے۔ ان کے نزدیک یہ "روشن کتاب" کی سب سے زیادہ "روشن حقیقت" ہے مگر اس کے بارہ میں انھوں نے کوئی ایسا حوالہ پیش نہیں فرمایا جو متعلقہ سوال کا براہ راست جواب بنتا ہو۔ تعجب ہے کہ اس کے باوجود ان حضرات کو اپنے مسلک کی صحت پر اتنا یقین ہے کہ وہ ہمارا مذاق اڑائیں اور اس کو چھاپ کر شائع بھی کریں۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ ایسی حالت میں ان کے یقین واطمینان کا سرچشمہ کیا ہے۔

سب کا مشن ایک

قرآن کی سورہ نمبر ۶ میں ارشاد ہوا ہے ——— اور یہ ہے ہماری حجت جو ہم نے ابراہیم کو اس کی قوم کے اوپر عطا کی۔ ہم جس کو چاہتے ہیں بلند درجے عطا کرتے ہیں۔ بیشک تیرا رب حکیم اور علیم ہے اور ہم نے ابراہیم کو اسحاق اور یعقوب دیا، ہم نے ہر ایک کو ہدایت دی اور ہم نے نوح کو ہدایت دی اس سے پہلے۔ اور اس کی نسل میں داؤد اور سلیمان اور ایوب اور یوسف اور موسیٰ اور ہارون کو بھی اور ہم نیکوں کو اسی طرح بدلہ دیتے ہیں۔ اور زکریا اور یحییٰ اور عیسیٰ اور الیاس کو بھی۔ ہر ایک ان میں سے صالح تھا۔ اور اسماعیل اور الیسع اور یونس اور لوط کو بھی۔ اور ان سب کو ہم نے تمام دنیا والوں پر فضیلت دی۔ اور ان کے آباء میں اور ان کے بھائیوں میں بھی بہت سے لوگوں کو، اور ہم نے ان کو چن لیا اور ان کو سیدھے راستے کی طرف رہنمائی کی۔ یہ اللہ کی ہدایت ہے جس سے وہ اپنے بندوں میں جس کو چاہتا ہے رہنمائی کرتا ہے۔ اور اگر وہ شرک کرتے تو ان کا سارا عمل اکارت ہو جاتا۔ یہ ہیں وہ لوگ جن کو ہم نے کتاب اور حکمت اور نبوت عطا کی۔ اب اگر یہ لوگ اس سے انکار کرتے ہیں تو ہم نے کچھ اور لوگوں کو یہ نعمت دے دی جو اس کے منکر نہیں ہیں۔ (اے محمد) یہی لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت دی تو تم انھیں کی ہدایت کی پیروی کرو۔ کہہ دو کہ میں اس کام پر تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا، یہ تو ایک نصیحت ہے تمام دنیا والوں کے لئے (الانعام ۹۱-۸۳)

مذکورہ آیت قرآن کی ان بہت سی آیتوں میں سے ہے جن سے قطعی طور پر یہ ثابت ہوتا ہے کہ پیغمبر اسلام کو جو دین دیا گیا وہ ٹھیک وہی دین تھا جو دوسرے تمام نبیوں کو دیا گیا تھا۔ یہ یکسانیت اتنی زیادہ ہے کہ پیغمبر اسلام کو حکم ہوا کہ تم اسی راستے پر چلو جس پر تمھارے پیش رو انبیاء چلے تھے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ پیغمبرانہ مشن کی کوئی ایسی تعبیر ہرگز صحیح نہیں ہو سکتی جو کسی ایک نبی پر چسپاں ہوتی ہو اور دوسرے نبی پر وہ چسپاں نہ ہو سکے۔ وہی مشن پیغمبرانہ مشن ہے جو تمام نبیوں کے یہاں یکساں طور پر پایا جائے۔ جو چیز ایک پیغمبر کے یہاں ہو اور دوسرے پیغمبر کے یہاں نہ ہو، وہ مشن کی نوعیت کی چیز نہ ہوگی۔ اس کا تعلق حالات کے تقاضے سے ہوگا اور حالات کا تقاضا یکساں نہیں ہوتا۔ مشن ہمیشہ ایک ہوتا ہے اور حالات کا تقاضا ہمیشہ مختلف

سیاسی احکام کی نوعیت

ایک مسلمان کمیونسٹ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تاریخ کے سب سے بڑے اشتراکی تھے ان کے نزدیک پیغمبر اسلام کا مشن یہ تھا کہ دنیا سے معاشی استحصال کا خاتمہ کریں۔ اور زمین پر معاشی انصاف کا نظام قائم کریں۔ اپنے نقطۂ نظر کو ثابت کرنے کے لئے ان کو قرآن کے بہت سے حوالے مل گئے ——

زمین اللہ کی ہے (اعراف ۱۲۸) دولت کا اجتماع ہلاکت کا باعث ہے (البقرہ ۲) ضرورت سے زیادہ مال رکھنے کا کسی کو حق نہیں (البقرہ ۲۱۹) سرمایہ دارانہ سماج پر خدا اپنا عذاب نازل کرتا ہے (الاسراء ۱۶) دولت صرف سرمایہ دار طبقہ میں نہیں رہنا چاہئے (الحشر ۷) خدا کا مطلوب سماج وہ ہے جس میں ایک طبقہ کے لئے دوسرے طبقہ کو لوٹنے کا موقع نہ ہو (ہود ۴۷) دولت کے زور پر جو لوگ دوسروں کا استحصال کرتے ہیں ان سے جنگ کرو (البقرہ ۲۷۹)

مذکورہ کمیونسٹ اپنے نقطۂ نظر کے حق میں اس طرح کے قرآنی دلائل پیش کرتے رہے۔ آخر میں اس نے کہا کہ پیغمبر کا مشن اگر وہی ہے جو آپ نے بیان فرمایا تو قرآن میں ایسی کوئی آیت ہونی چاہئے جس کا مفہوم یہ ہو کہ "اے پیغمبر، ہم نے تم کو اس لئے بھیجا ہے تاکہ تم دنیا سے معاشی لوٹ کو ختم کرو اور زمین پر معاشی انصاف کا نظام قائم کرو" اگر آپ اپنے دعوے میں برحق ہیں تو قرآن سے ایسی کوئی آیت نکال کر دکھائیے۔ موصوف نے مذکورہ بالاقسم کے معاشی حوالے تو بہت دئے مگر وہ ایسی کوئی آیت پیش نہ کر سکے جس کے الفاظ سے براہ راست طور پر یہ نکلتا ہو کہ پیغمبر کا مشن دنیا میں معاشی انقلاب برپا کرنا ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ قرآن میں بہت سی معاشی آیتیں ہیں۔ مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ قرآن میں کوئی ایک بھی ایسی آیت نہیں جس کے عبارت النص سے مذکورہ بالاقسم کا معاشی نصب العین نکلتا ہو۔ یہ فرق ثابت کرتا ہے کہ معاشی احکام اگرچہ قرآن میں موجود ہیں مگر معاشی احکام کا نفاذ ہی وہ چیز نہیں جو پیغمبر خدا کا اصل نصب العین ہو۔ معاشی احکام کی اہمیت کسی اور پہلو سے ہے نہ کہ نصب العین کے پہلو سے۔

یہی معاملہ سیاسی احکام کا ہے۔ قرآن میں یقیناً سیاسی نوعیت کے احکام بھی ہیں۔ مگر ان احکام کی بنیاد پر ایک نظام قائم کرنا ہی وہ اصل نصب العین نہیں جس کے لئے پیغمبر کی بعثت ہوئی ہو۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن میں ایسی آیتیں تو ملتی ہیں جن میں سیاسی پہلو بھی شامل ہو۔ مگر سارے قرآن میں ایسی کوئی ایک آیت نہیں جس کا مفہوم یہ ہو کہ "اے پیغمبر تمہارا نصب العین یہ ہے کہ تم قرآنی احکام کی بنیاد پر ایک مکمل سیاسی نظام قائم کرو" قرآن معاشی نصب العین کی آیت سے بھی خالی ہے اور سیاسی نصب العین کی آیت سے بھی۔

مذاق اڑانا حرام ہے

قرآن میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ اے ایمان والو، تم دوسرے کا مذاق نہ اڑاؤ، ہوسکتا ہے کہ وہ تم سے بہتر ہو (الحجرات ۱۱) حافظ ابن کثیر اس کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ینہیٰ تعالیٰ عن السخریۃ بالناس ۔ ۔ ۔ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کا مذاق اڑانے سے منع فرمایا۔
والمراد من ذلک احتقارھم واستصغارھم اور اس سے مراد ان کو حقیر جاننا اور ان کو چھوٹا
وھذا حرام سمجھنا ہے اور یہ حرام ہے۔

مولانا شبیر احمد عثمانی اپنے تفسیری نوٹ میں لکھتے ہیں "عموماً دیکھا جاتا ہے کہ جہاں دو شخصوں یا دو جماعتوں میں اختلاف رونما ہوا بس ایک دوسرے کا تمسخر اور استہزار کرنے لگتا ہے۔ ذرا سی بات ہاتھ لگ گئی اور ہنسی مذاق اڑانا شروع کر دیا۔ حالانکہ اسے معلوم نہیں کہ شاید جس کا مذاق اڑا رہا ہے وہ اللہ کے نزدیک اس سے بہتر ہو۔ بلکہ بسا اوقات یہ خود بھی اختلاف سے پہلے اس کو بہتر سمجھتا ہوتا ہے۔ مگر ضد و نفسانیت میں دوسرے کی آنکھ کا تنکا نظر آتا ہے، اپنی آنکھ کا شہتیر نظر نہیں آتا۔"

دلیل کی بنیاد پر کسی کی تنقید کرنا عین جائز ہے۔ مگر بلا دلیل کسی کا مذاق اڑانا سراسر حرام ہے۔ جب آدمی کسی کا مذاق اڑاتا ہے تو اس کے پیچھے دراصل کبر ہوتا ہے۔ وہ اپنے کو بڑا سمجھتا ہے اور دوسرے کو حقیر خیال کرتا ہے۔ یہی وہ نفسیات ہے جس کے تحت کسی کی زبان سے وہ الفاظ نکلتے ہیں جس کو تمسخر یا مذاق اڑانا کہا جاتا ہے۔

یہ متکبرانہ نفسیات کسی کے اندر کیوں پیدا ہوتی ہے۔ اس کی وجہ ہے دنیوی یا مادی چیزوں کو اہم سمجھنا۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ جن لوگوں کے گرد دولت، شہرت، قیادت اور مناصب جمع ہو جائیں ان کو لوگ بڑا سمجھ لیتے ہیں۔ اس کے مقابلے میں جس آدمی کے گرد یہ رونقیں دکھائی نہ دیں اس کو حقیر سمجھ لیا جاتا ہے، یہی حقیر سمجھنا لوگوں کو جرأت دلاتا ہے کہ وہ ایسے آدمی کا مذاق اڑائیں، وہ بھول جاتے ہیں کہ اصل بڑائی وہ ہے جو خدا کے یہاں حاصل ہو۔ اور خدا کے یہاں بڑائی کا معیار دنیوی رونقیں نہیں ہیں بلکہ تقویٰ ہے۔

مذاق اڑانے والے کو اس سے ڈرنا چاہئے کہ اس کو قیامت کا پردہ پھٹنے کے بعد اس بات پر شرمندہ ہونا پڑے کہ اس نے ایک بندہ خدا کا اس بنا پر مذاق اڑایا کہ وہ دکھائی دینے والی بڑائی سے خالی تھا حالانکہ عین اس وقت نہ دکھائی دینے والی بڑائی اس کے اندر پوری طرح موجود تھی۔

دو طریقے

آدمی کے سامنے جب ایک ایسی سچائی آتی ہے جس کا توڑ وہ دلائل کی زبان میں نہ کر سکتا ہو تو اکثر وہ دو چیزوں کا سہارا لیتا ہے — استہزار اور گریز۔ استہزار کا مقصد داعی کے بارے میں یہ تاثر دینا ہے کہ وہ اتنا حقیر شخص ہے کہ اس کی بات قابل اعتنا ہی نہیں۔ اسی طرح گریز کا طریقہ آدمی اس وقت اختیار کرتا ہے جب کہ اس کے پاس اصل بات کی براہ راست دلیل موجود نہ ہو۔ ایسے موقع پر وہ ادھر اُدھر کی باتیں زور شور سے بول کر یہ ظاہر کرتا ہے کہ اس کے پاس جواب دینے کے لئے بہت کچھ ہے، دلیل کے کے میدان میں وہ خالی نہیں۔

پہلی چیز کی ایک مثال قرآن کی سورہ نمبر ۳۷ میں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اپنی وہ دعوت پیش کی جو قرآن کے مطابق تمام پیغمبروں کی مشترک دعوت تھی تو قریش نے کہا "کیا ہم ایک شاعر دیوانہ کے کہنے سے اپنے معبودوں کو چھوڑ دیں" (الصافات ۳۶)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مضبوط دلائل کا قریش کے پاس کوئی جواب نہ تھا اس لئے انھوں نے آپ کو شاعر اور دیوانہ کہا تاکہ آپ کو ناچیز ظاہر کر کے آپ کی بات کو مذاق میں اڑا دیں۔

دوسری چیز کی مثال سورہ نمبر ۳ میں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب اونٹ کا گوشت اور دودھ استعمال کرتے تھے۔ یہود نے ان چیزوں کو اپنی شریعت میں حرام کر رکھا تھا۔ چنانچہ یہود نے یہ کہنا شروع کیا کہ محمد اپنے کو ملت ابراہیمی کا حامل بتاتے ہیں حالاں کہ وہ ان چیزوں کو کھاتے ہیں جو ملت ابراہیمی میں حرام ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ ملت ابراہیمی پر ہم ہیں نہ کہ محمد اور ان کے ساتھی۔ قرآن میں کہا گیا کہ اگر تم سچے ہو تو اپنی مقدس کتاب تورات لاؤ اور دکھاؤ کہ اس کی کس آیت میں یہ بات لکھی ہوئی ہے (آل عمران ۹۳)۔ اس کے جواب میں یہود نے تورات کی کوئی آیت پیش نہیں کی۔ البتہ وہ دوسری دوسری باتیں کہنے لگے۔ مثلاً یہ کہ یہ بات تو بالکل معلوم و مشہور ہے، پھر اس کے لئے تورات کی کوئی آیت پیش کرنے کی کیا ضرورت۔

انسان کا حال ہمیشہ یہی رہا ہے کہ جب وہ دلیل کے میدان میں اپنے کو خالی پاتا ہے تو وہ استہزار در گریز کا طریقہ اختیار کرتا ہے۔ وہ آدمی کو ناقابل التفات ظاہر کرتا ہے یا غیر متعلق الفاظ بول کر یہ تاثر دیتا ہے کہ اس کے پاس کہنے کے لئے بہت کچھ موجود ہے۔ اس کی مثالیں پچھلے دور میں بھی دیکھی جا سکتی ہیں اور آج کے دور میں بھی۔

فلسطین: ایک علامت

فلسطینی مسلمان ۱۹۴۸ء میں اپنے وطن فلسطین سے بے گھر کئے گئے۔ اس کے بعد وہ اطراف کے علاقوں مصر اور شام اور اردن سے نکالے گئے۔ لبنان ان کا آخری مرکز تھا، اب ۱۹۸۲ء میں وہ یہاں سے بھی نکلنے پر مجبور کر دئے گئے ہیں۔ پچھلے ۳۵ سال سے ان پر جتنا ظلم ہو رہا ہے اتنا ظلم شاید اسلامی تاریخ کے کسی دور میں کسی بھی مسلم گروہ پر نہیں ہوا۔

یہ معاملہ کوئی سادہ یا مقامی معاملہ نہیں۔ یہ ایک علامتی واقعہ ہے جس کا تعلق ساری دنیا کے مسلمانوں سے ہے۔ فلسطینیوں کے ساتھ جو کچھ ہو رہا ہے وہ تمام دنیا کے مسلمانوں کے لئے ایک انتباہ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ موجودہ زمانہ کے مسلمان بحیثیت مجموعی خدائی عتاب کی زد میں ہیں اور فلسطینی مسلمانوں کا معاملہ اس کی ایک علامت ہے۔ خدا مسلمانوں کو رد کر چکا ہے۔ اور یہ اس کے باوجود ہے کہ ان کے درمیان ایسے بزرگ موجود ہیں جو بین اقوامی اسٹیج پر کھڑے ہو کر یہ تقریر کر رہے ہیں کہ اکتشفت الامۃ العربیۃ نفسھا (عرب قوم نے اپنے آپ کو دریافت کر لیا) ان میں ایسے مفکرین اسلام موجود ہیں جو موجودہ عہد کو اسلام کا عہد بنانے میں کامیاب ہو چکے ہیں۔ ان کے درمیان آج اسلام کے نام پر اتنی سرگرمیاں جاری ہیں کہ وہ یہ کہنے کی پوزیشن میں ہیں کہ ہم نے سارے عالم میں اسلام کی ہوائیں چلا دی ہیں۔

ظہور آیات کا مقام

محمد صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبین تھے۔ آپ کے بعد پچھلے انبیار کی نبوتیں عملی طور پر منسوخ ہوگئیں۔ اب صرف آپ کی نبوت خدا کی نظر میں مستند نبوت ہے اور صرف آپ کی پیروی سے کسی کو نجات مل سکتی ہے۔ پیغمبر اسلام کے ظہور کے ذریعہ اللہ نے یہ چاہا کہ وہ اپنے اس فیصلہ کا ایک حسی مظاہرہ یا علامتی نمونہ دکھائے۔ چنانچہ اس کے لئے معراج میں یہ کیا گیا کہ سابقہ انبیار کو ایک مقام پر جمع کیا گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل کی ہدایت پر ان کی امامت فرمائی اور تمام انبیار نے آپ کی قیادت میں آپ کے پیچھے نماز ادا کی (وقد رأیتنی فی جماعۃ من الانبیار ۔ ۔ ۔ فحانت الصلوٰۃ فاممتھم، صحیح مسلم)

امامت انبیار کا یہ واقعہ کعبہ (عرب) میں بھی ہو سکتا تھا۔ مگر اس کے لئے معراج ہوئی اور آپ کو بیت المقدس (فلسطین) لے جایا گیا۔ اس کی وجہ قرآن میں یہ بتائی گئی ہے ــــــــ تاکہ ہم پیغمبر کو اپنی نشانیاں دکھائیں (لنریہ من آیاتنا، اسرار ا) بیت المقدس تاریخی طور پر وہ مقام بن چکا تھا جہاں امت یہود کے سلسلہ کی خدائی نشانیاں پچھلے ہزاروں سال سے ظاہر ہو رہی تھیں۔ اب معراج کے موقع پر

خود نبی آخر الزماں کو خدائی نشانی دکھانے کے لئے وہاں لے جانا ظاہر کرتا ہے کہ کعبہ اور بیت المقدس دونوں کی وراثت اب آپ کی امت کو دے دی گئی۔ پھر جب بیت المقدس مسلمانوں کے حصہ میں آیا تو اس کی وہ دینی اور آیاتی حیثیت بھی انھیں کی طرف لوٹ آئے گی جو قدیم انبیا کے زمانہ میں انھیں حاصل تھی۔

بائبل سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل پر جب خدا کی رحمت ہوتی تو وہ فلسطین میں فارغ البال اور ذی اقتدار بنا دئے جاتے۔ اور جب ان پر خدا کا عتاب ہوتا تو فلسطین ان سے چھن جاتا اور وہ سخت مصیبتوں کی زد میں آجاتے۔ فلسطین بنی اسرائیل کے مرحوم یا مغضوب ہونے کی علامت تھی۔ یہی معاملہ خدا کا اب مسلمانوں کے ساتھ ہے۔ فلسطین مسلمانوں کے حق میں حکم خداوندی کی علامت ہے۔ اگر مسلمانوں کو فلسطین پر غلبہ حاصل ہو اور وہاں وہ امن کی زندگی بسر کر رہے ہوں تو سمجھنا چاہئے کہ خدا ان سے خوش ہے۔ اور اگر مسلمانوں کو فلسطین پر غلبہ حاصل نہ ہو تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ وہ عتاب خداوندی کی زد میں آگئے ہیں (احبار، باب ۲۶، استثنا، باب ۲۸)

نبی آخر الزماں کے ظہور کے بعد بیت المقدس اور کعبہ دونوں کی وراثت آپ کی امت کو دی جاچکی ہے۔ اس اعتبار سے امت مسلمہ کے بارہ میں مرحومیت یا مغضوبیت کا اظہار کعبہ کی سطح پر بھی ہو سکتا تھا۔ مگر کعبہ دین محفوظ کا قبلہ اور اس کا قیامت تک کے لئے مرکز ہے، اس لئے اس کو تخریبی فتنوں سے بچانا بھی ضروری ہے۔ کعبہ محفوظ نہ رہے تو دین کی محفوظیت بھی خطرہ میں پڑ جائے گی۔ اس بنا پر ضروری ہوا کہ امت مسلمہ کے بارے میں آیات رحمت یا آیات غیر رحمت کے ظہور کے لئے بیت المقدس کو بدستور اپنی سابقہ حیثیت پر باقی رکھا جائے۔

فلسطین کے مسلمانوں کے ساتھ جو کچھ ہو رہا ہے اس کو امریکہ اور اسرائیل کی جارحیت سمجھنا خدا کی سنت سے بے خبری کا ثبوت ہے۔ یہ دراصل خدا کا وہ معاملہ ہے جو وہ حاملین کتاب کے ساتھ اس وقت کرتا ہے جب کہ وہ حامل کتاب ہونے کی ذمہ داری کو ادا نہ کر رہے ہوں۔ پہلے یہود کتاب الٰہی کے حامل تھے۔ اس لئے پچھلے زمانہ میں یہود کے ساتھ یہ معاملہ ہوتا رہا۔ اب مسلمان کتاب الٰہی کے حامل ہیں، اس لئے اب خدا کا وہ معاملہ فلسطین کے مسلمانوں کے ساتھ ہوگا جو پہلے فلسطین کے یہود کے ساتھ کیا جا رہا تھا۔

پھر یہ کام یہود سے کیوں لیا جا رہا ہے، اس کی خاص مصلحت ہے۔ یہود کا فلسطین میں جمع ہونا اور ان کے ذریعہ مسلمانوں کو ذلت کی سزا دینا بیک وقت دو مقاصد کا حامل ہے۔ ایک طرف ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہود کو ایک مقام پر جمع کر کے بالآخر انھیں کوئی سخت اجتماعی سزا دی جانے والی ہے۔ دوسری طرف ایک "مغضوب" قوم کے ذریعہ مسلمانوں کو سزا دینا اس شدت عتاب کو بتا رہا ہے جس کا مورد اس وقت

مسلمان بن رہے ہیں اور اس وقت تک بنتے رہیں گے جب تک وہ دوبارہ اپنے آپ کو کتاب الٰہی کی بنیاد پر کھڑا نہ کریں۔

آج تمام دنیا کے مسلمان فلسطینیوں کی حمایت پر متحد ہیں۔ شاید عالم اسلام کا دوسرا کوئی بھی ایسا مسئلہ نہیں جس پر ان کے درمیان اتنا زیادہ اتفاق پایا جاتا ہو۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ تمام دنیا کے مسلمانوں نے فلسطین کے مسئلہ کو اپنا مسئلہ بنا رکھا ہے۔ مسلمانوں کے تمام اصاغر و اکابر اس معاملہ میں یکساں طور پر امریکہ اور اسرائیل کی مذمت کر رہے ہیں اور مجاہدین فلسطین کے نام اپنے حمایتی الفاظ نشر کرنے میں ایک دوسرے سے آگے بڑھ جانا چاہتے ہیں۔ اس طرح فلسطین کا مسئلہ عملاً تمام دنیا کے مسلمانوں کا مسئلہ بن گیا ہے۔ فلسطینی مسلمانوں کی عزت تمام مسلمانوں کی عزت ہے اور فلسطینی مسلمانوں کی بے عزتی تمام مسلمانوں کی بے عزتی۔

اس کے باوجود ہم دیکھتے ہیں کہ مسلمانوں کی عمومی حمایت کسی بھی درجہ میں فلسطینیوں کے مسئلہ کو حل کرنے میں کامیاب ثابت نہیں ہو رہی ہے۔ فلسطینی مسئلہ دن بدن سخت سے سخت تر ہوتا چلا جا رہا ہے۔ اس کی وجہ کیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مسئلہ کسی اور مقام پر پیدا ہوا ہے اور مسلمان اس کا حل کسی اور مقام پر تلاش کر رہے ہیں۔

یہ مسئلہ امریکہ اور اسرائیل کی سطح پر نہیں ہے بلکہ خدا کی کتاب کی سطح پر ہے۔ اگر یہ امریکہ کا مسئلہ ہوتا تو ہم اس کو اسی طرح حل کر چکے ہوتے جس طرح ویت نام نے اس کو بہت پہلے حل کر لیا۔ خدا کی کتاب کے ساتھ غفلت اور بے انصافی نے یہ مسئلہ پیدا کیا ہے اور خدا کی کتاب کے ساتھ غفلت اور بے انصافی کو ختم کر کے ہی یہ مسئلہ دوبارہ ختم ہو سکتا ہے۔

یہ واقعہ مزید اس بات کی علامت ہے کہ اس وقت مسلمانوں کے درمیان جو کچھ اسلام کے نام پر ہو رہا ہے نہ ہی وہ چیز نہیں جو اللہ تعالیٰ کو ان سے مطلوب ہو یا جو کتاب الٰہی کی اقامت کے ہم معنی ہو۔ کیونکہ موجودہ زمانہ میں اتنی بڑی بڑی اسلامی شخصیتیں پیدا ہوئی ہیں اور اتنے بڑے پیمانہ پر اسلامی کام ہو رہے ہیں کہ اگر یہی وہ چیز ہوتی جو خدا کو مطلوب ہو تو کبھی ممکن نہ تھا کہ مسلمان عتاب خداوندی کی زد میں آئیں کیونکہ یہ سب کام مقدار میں اتنے زیادہ ہیں کہ اگر وہ صحیح اور مطلوب ہوں تو ان پر نصرت خداوندی کا نزول ہونا چاہئے نہ کہ عتاب خداوندی کا۔

یہ سب سے بڑا مسئلہ ہے جس پر آج تمام دنیا کے مسلمانوں کو غور کرنا چاہئے۔ کیونکہ خدا اگر انھیں رد کر دے تو پھر ان کے لئے نہ دنیا میں کوئی جگہ ہے اور نہ آخرت میں۔ غیر مطلوب سرگرمیاں، خواہ وہ دین کے نام پر کی جا رہی ہوں، کسی کو خدا کی نظر میں رحمت و نصرت کا مستحق نہیں بناتیں۔

ایجنسی : ایک تعمیری اور دعوتی پروگرام

الرسالہ عام معنوں میں صرف ایک پرچہ نہیں، وہ تعمیر ملت اور احیاء اسلام کی ایک مہم ہے جو آپ کو آواز دیتی ہے کہ آپ اس کے ساتھ تعاون فرمائیں۔ اس مہم کے ساتھ تعاون کی سب سے آسان اور بے ضرر صورت یہ ہے کہ آپ الرسالہ کی ایجنسی قبول فرمائیں۔

"ایجنسی" اپنے عام استعمال کی وجہ سے کاروباری لوگوں کی دلچسپی کی چیز سمجھی جانے لگی ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ ایجنسی کا طریقہ دور جدید کا ایک مفید عطیہ ہے جس کو کسی فکری اشاعت کے لئے کامیابی کے ساتھ استعمال کیا جاسکتا ہے۔ کسی فکری مہم میں اپنے آپ کو شریک کرنے کی یہ ایک انتہائی ممکن صورت ہے اور اسی کے ساتھ اس فکر کو پھیلانے میں اپنا حصہ ادا کرنے کی ایک بے ضرر تدبیر بھی۔

تجربہ یہ ہے کہ بیک وقت سال بھر کا زر تعاون روانہ کرنا لوگوں کے لئے مشکل ہوتا ہے۔ مگر پرچہ سامنے موجود ہو تو ہر مہینے ایک پرچہ کی قیمت دے کر وہ بآسانی اس کو خرید لیتے ہیں۔ ایجنسی کا طریقہ اسی امکان کو استعمال کرنے کی ایک کامیاب تدبیر ہے۔ الرسالہ کی تعمیری اور اصلاحی آواز کو پھیلانے کی بہترین صورت یہ ہے کہ جگہ جگہ اس کی ایجنسی قائم کی جائے۔ بلکہ ہمارا ہر ہمدرد اور متفق اس کی ایجنسی لے۔ یہ ایجنسی گویا الرسالہ کو اس کے متوقع خریداروں تک پہنچانے کا ایک کارگر درمیانی وسیلہ ہے۔

وقتی جوش کے تحت لوگ ایک "بڑی قربانی" دینے کے لئے بآسانی تیار ہو جاتے ہیں۔ مگر حقیقی کامیابی کا راز ان چھوٹی چھوٹی قربانیوں میں ہے جو سنجیدہ فیصلہ کے تحت لگاتار دی جائیں۔ ایجنسی کا طریقہ اس پہلو سے بھی اہم ہے یہ ملت کے افراد کو اس کی مشق کراتا ہے کہ ملت کے افراد چھوٹے چھوٹے کاموں کو کام سمجھنے لگیں۔ ان کے اندر یہ حوصلہ پیدا ہو کہ وہ مسلسل عمل کے ذریعہ نتیجہ حاصل کرنا چاہیں نہ کہ یکبارگی اقدام سے۔

ایجنسی کی صورتیں

پہلی صورت ——— الرسالہ کی ایجنسی کم از کم پانچ پرچوں پر دی جاتی ہے۔ کمیشن ۲۵ فی صد ہے۔ پیکنگ اور روانگی کے اخراجات ادارہ الرسالہ کے ذمہ ہوتے ہیں۔ مطلوبہ پرچے کمیشن وضع کرکے بذریعہ وی پی روانہ کئے جاتے ہیں۔ اس اسکیم کے تحت شخص ایجنسی لے سکتا ہے۔ اگر اس کے پاس کچھ پرچے فروخت ہونے سے رہ گئے ہیں تو اس کو پوری قیمت کے ساتھ واپس لے لیا جائے گا۔ بشرطیکہ پرچے خراب نہ ہوئے ہوں۔

دوسری صورت ——— الرسالہ کے پانچ پرچوں کی قیمت بعد وضع کمیشن ۱۱ روپیہ ۲۵ پیسے ہوتی ہے۔ جو لوگ صاحب استطاعت ہیں وہ اسلامی خدمت کے جذبہ کے تحت اپنی ذمہ داری پر پانچ پرچوں کی ایجنسی قبول فرمائیں۔ خریدار ملیں یا نہ ملیں، ہر حال میں پانچ پرچے منگوا کر ہر ماہ لوگوں کے درمیان تقسیم کریں۔ اور اس کی قیمت خواہ سالانہ ۱۳۵ روپے یا ماہانہ ۱۱ روپیہ ۲۵ پیسے دفتر الرسالہ کو روانہ فرمائیں۔

ثانی اثنین خاں پرنٹر پبلشر مسئول نے جے کے آفسٹ پرنٹرز دہلی سے چھپوا کر دفتر الرسالہ جمعیۃ بلڈنگ قاسم جان اسٹریٹ دہلی سے شائع کیا

کیا
آپ کی روزانہ کی خوراک سے
آپ کے بدن کو پوری قوّت اور
پورا فائدہ ملتا ہے؟

اپنی روزمرّہ خوراک سے صحیح تغذیہ حاصل کرنا
اِس بات پر منحصر ہے کہ آپ کا نظامِ ہضم کتنا
ٹھیک اور طاقتور ہے۔

سنکارا ہی ایک ایسا ٹانک ہے جس میں
طاقت دینے والے ضروری وٹامنوں اور معدنی
اجزاء کے ساتھ چھوٹی الائچی، لونگ، دھنیا،
دارچینی، تیزپات، تلسی وغیرہ جیسی چودہ (۱۴) جڑی
بوٹیاں شامل ہیں۔ اِس مرکب سے آپ کے
نظامِ ہضم کو طاقت ملتی ہے اور آپ کا بدن
اس کی مدد سے آپ کی روزمرّہ خوراک سے
صحیح تغذیہ اور بھرپور قوّت حاصل کرتا ہے۔

سنکارا
ہر موسم اور ہر عمر میں
سب کے لیے بے مثال ٹانک

ہمدرد

HD-5949 AU

REGD. R. N. NO. 28822/76
REGD.NO. D. (DN) 532

ISSUE NO. 69
AUGUST 1982

AL-RISALA MONTHLY

JAMIAT BUILDING QASIMJAN STREET DELHI-110006 (INDIA) PHONE 232231

عصری اسلوب میں اسلامی لٹریچر

مولانا وحید الدین خاں کے قلم سے

۱۔ الاسلام	۱۵—۰
۲۔ مذہب اور جدید چیلنج	۱۵—۰
۳۔ ظہورِ اسلام	۱۵—۰
۴۔ دین کیا ہے؟	۲—۰
۵۔ قرآن کا مطلوب انسان	۵—
۶۔ تجدیدِ دین	۳—۰
۷۔ اسلام دینِ فطرت	۳—۰
۸۔ تعمیرِ ملت	۲—۰
۹۔ تاریخ کا سبق	۳—۰
۱۰۔ مذہب اور سائنس	۵—۰
۱۱۔ عقلیاتِ اسلام	۳—۰
۱۲۔ فسادات کا مسئلہ	۲—۰
۱۳۔ انسان اپنے آپ کو پہچان	۱—۰
۱۴۔ تعارفِ اسلام	۲—۵۰
۱۵۔ اسلام پندرھویں صدی میں	۲—۰
۱۶۔ راہیں بند نہیں	۳—۰
۱۷۔ دینی تعلیم	۳—۰
۱۸۔ ایمانی طاقت	۳—۰
۱۹۔ اتحادِ ملت	۳—۰
۲۰۔ سبق آموز واقعات	زیرِ طبع
۲۱۔ اسلامی تاریخ سے	"
۲۲۔ قال اللہ	"
۲۳۔ اسلامی دعوت	۳—۰
۲۴۔ زلزلۂ قیامت	۴—۰
۲۵۔ سچا راستہ	۱—۰

مکتبہ الرسالہ۔ دہلی ۶